

061007





تفسیر  
سورہ کوثر

تالیف

استاذ امام مولانا حمید الدین فریدی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا امین حسن اصلاحی



سلسلہ دائرہ حمیدینہ نمبر ۱

تفسیر

# سُورَةُ الْكَافِر

تالیف

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا امین احسن اصلاحی

ناشر

دائرہ حمیدینہ، مدرسہ اسلامیہ، سرانمیر، اعظم گڑھ

طبع دوم ۱۹۵۸ء

تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت ۹۴ روپے

مطبوعہ

کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی

# فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	سورہ کا عمود اور ماقبل و مابعد سے اس کا ربط	۵
۲	لفظ کوثر کی تفسیر و تاویل	۷
۳	کوثر کی تاویل میں سلف کے اقوال	۱۰
۴	ان اقوال کا ماخذ اور اس امر کا بیان کہ ان سب کا مرجع ایک ہی جامع حقیقت ہے	۱۱
۵	چند اشعار کہ کوثر خانہ کعبہ اور اس کا ماحول ہے	۱۷
۶	نہر کوثر خانہ کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی تصویر ہے	۲۴
۷	یروشلم کی روحانیت	۲۸
۸	إِنَّا أَطَعْنَاهُ أَكْثَرَ تَفْسِير	۲۹
۹	فَصَلِّ لِرَبِّكِ وَاسْجُدْ وَاقْنُصْ تَفْسیر اور ماقبل سے اس کا تعلق	۳۳
۱۰	ناز اور قربانی میں مناسبت	۴۲



نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۸۵	تمام کتابوں پر امت مسلمہ کی فضیلت	۱۱
۹۳	شَآنِکَ اور اَلَا بُتَّر کی تاویل	۱۲
۹۶	اِنَّا شَآنِکَ هُوَ اَلَا بُتَّر کی تاویل	۱۳
۹۹	سورہ کا موقع نزول اور فتح مکہ کی بشارت	۱۴
۱۰۴	سورہ پر بحیثیت مجموعی ایک نظر	۱۵
۱۰۷	امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رضوان الہی کی بشارت	۱۶
۱۱۰	بنوت محمدی کے لئے ایک دائمی دلیل	۱۷
۱۱۳	حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کا وعدہ اور اس کی تصدیق	۱۸



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۖ أَفَصَلِّ لِلَّهِ ذَا انْحِرَ ۚ إِنَّ شَأْنَكَ  
 هُوَ الْأَمْنُ ۚ

ہم نے تجھے بھٹا کوثر۔ پس اپنے خداوند ہی کی ناز پڑا اور اسی کے لئے قربانی  
 کر یہ نرا دشمنی خود ہی منقطع ہے۔

## ۱۔ سوؤ کا عمو اور ما قبل و ما بعد اس کا ربط

اگلی سورہ (سورۃ الماعون) کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ان لوگوں کے بیان میں  
 ہے جنہوں نے خانہ کعبہ کے انتظام میں خیانت کی تھی۔ انہوں نے حج اور اس کے تمام مراسم  
 بگاڑ دیے تھے اور توحید اور غربا پروری کی سنت کو مٹا کر نماز اور قربانی کی اصل حقیقت ہٹا  
 کر دی تھی جس کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، اور وہ اس بات کے منکر اور ہونے کہ اللہ تعالیٰ  
 اپنے دستور کے مطابق، اس نعمت کو ان سے چھین کر ان لوگوں کے سپرد کرے جو اس کے  
 اہل ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے :-

وَإِنْ تَوَلَّوْا يَنْبَغِدِلْ قَوْمًا  
 عَنِذُ اللَّهِ لَا يَكُونُوا  
 اگر تم برگشتہ ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ  
 بلکہ کوئی دوسری قوم بھی لے گا،

اَمَّا لَكُمْ (سورہ محمد: ۳۸) پھر وہ لوگ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

اس سے پہلے جو جانتے خانہ کعبہ کے اہتمام و انتظام میں خیانت و بد عہدی کی قریب ہوئی تھیں وہ تولیت بیت اللہ کے منصب محروم کر دی گئی تھیں۔ اسی دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس سورہ ذکر کو نزول کے ذریعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی ہے کہ بیت اللہ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نسل اسمعیل کے ممکن کی تولیت کے لئے خدا نے تم کو اور تمہاری امت کو منتخب کیا۔ اس نسل کے ذریعہ سے خدا تمام قوموں کو برکت دے گا، جیسا کہ تورات میں وعدہ کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے بیت اللہ کو مبارک و مہذب و مہذب اللہ تعالیٰ جیسا کہ سرخسہ برکت اور لوگوں کے لئے ہدایت کہا ہے۔

یہ عظیم الشان عطیہ الہی یقیناً ایک بہت بڑی کامیابی اور ایک خیر کثیر ہے۔ یہی کوثر اس حوض کوثر کا ضامن ہے، جو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا۔ ان اقبارات سے یہ سورہ، سورہ باقی کے بعد اسی طرح آئی ہے جس طرح قرآن میں عذاب کے بعد رحمت و مہربانی کے بعد بخشش، اور ہلاک ہونے والی قوموں کے بعد کامیاب ہونے والی قوموں کا ذکر آیا کرتا ہے۔ یہ اسلوب قرآن مجید میں عام ہے۔

نیز چونکہ سورہ مابعد (سورہ کافرون) میں جو بیت اللہ سے ہجرت کا اعلان ہے۔ اس وجہ سے نظم کلام مقتضی ہوا کہ پہلے بشارت اور تسلی کی سورہ رکھی جائے، تاکہ نظم قرآن ہی سے یہ واضح ہو جائے کہ خداوند تعالیٰ نے رنج سے پہلے راحت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگرچہ اس کا ظہور بعد میں ہوگا۔ اسی وجہ سے سورہ کافرون، جس میں اعلان ہجرت ہے،

دو بشارت والی سورتوں یعنی سورہ کوثر اور سورہ نصر کے درمیان رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی بھی بشارت دی گئی تھی کہ آپ کی امت زیادہ ہوگی اور آپ کے دشمن بیت اللہ کی برکتوں سے محروم ہوں گے۔ اس وجہ سے سورہ کافرون میں اس محرومی کی اصل علت واضح کر دی گئی کہ بیت اللہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ توحید الہی کا ایک مرکز قائم ہو۔ لیکن جب ان لوگوں نے اس مرکز توحید کو شرک کا اڈا بنا ڈالا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ اس پر قابض رہیں۔

یہ سورہ کے عمود اور اس کے ربط پر ایک اجمالی نظر ہے۔ تفسیری بخش تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

## ۲۔ لفظ کوثر کی تفسیر تاویل

اس سورہ کی صحیح تاویل لفظ ”کوثر“ میں چھپی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ پہلے اس لفظ کی تحقیق کی جائے۔ اس کے متعلق سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں، اس میں وجہ سے ٹھیک معنی کو متعین کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل ناگزیر ہوگی۔

یہ معلوم ہے کہ ”کوثر“ کثیر کا بالنسبہ ہے۔ کثر کے معنی دولت و ثروت کے ہیں۔

اس وجہ سے کوثر کے معنی ہوں گے: بڑی کثرت اور بڑی برکت و ثروت والا۔ کثیر اور کثر کی طرح کوثر بھی نسبہ کے لئے مستعمل ہے۔ بطریق صفت بھی اس کا استعمال عام

ہے۔ پسید کا شعر ہے

وصاحب مملوب فجعنا ببعوتہم فعند الرداع بیت آخر کوثر  
اور محبوب کا سوار، جس کی موت کے غم نے ہم کو غلین کیا اور روح کے پاس ایک اور داتا سرود کی قبر ہے۔  
ایضاً ابی عائذ الہندی کہتا ہے ۷

یعاوی الخفیت اذا ما احتضن وحممن فی کوثر کا جلال  
وہ حریت کی حفاظت کرتا ہے، جب وہ گرم ہوتی ہیں، اور بہناتنی ہیں، بادیا کی طرح  
پھیلے ہوئے غبار میں

اس شعر میں موصوف مقرر ہے۔ یعنی ”غبار کوثر“ اس سے فعل بھی متصل ہے۔

چنانچہ حسان بن نشبہ کا شعر ہے ۷

ابوان یلیحوا اجارہم لعدا وھو وقد ثاسا نفع الموت حتی تلوکشا  
انھوں نے اپنے پڑوسیوں کو دشمنوں کے لئے چھوڑ دیئے سے انکار کر دیا اور حال یہ تھا کہ موت  
کے غبار نے ابھر کر تمام چھایا تھا۔

اس وجہ سے ازروئے لغت یہاں کوثر کی تین تاویلیں ممکن ہیں۔

۱۔ یہ اسیت کی طرف متقل ہو کر کسی خاص چیز کے لئے مخصوص ہو گیا ہو جس کا نام اندھا  
نے کوثر رکھا ہو۔

۲۔ اس کو کسی ایسے موصوف مخذوف کی صفت مانا جائے جس کے ساتھ اس کو خصیصہ

ہو مثلاً کہتے ہیں ”مرد علی جسار“ یعنی ”سجال مرد علی خیل جرد“۔ ”نوفیر نوجوان“  
اصل گھوڑوں پر قرآن مجید میں ہے۔ ”والذاریات“ یعنی ”الریاح الذاریات“

دعبارٹانے والی ہواؤں کی قسم) ذاتِ الماحِ ذُوْ سُبْحٰنِ یعنی ”ملک ذاتِ الواح و دس“ رتختوں اور کانٹوں والی کشتی، اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں لیکن ایسا صرف اسی صورت میں جائز ہے جب صفت اس موصوف کے لئے اس طرح مخصوص ہو کہ یا توصف کا ذکر کرتے ہی موصوف ذہن میں آجائے یا کوئی واضح قرینہ اس کی طرف اشارہ کر دے۔

۳۔ میسر بنی شکل یہ ہے کہ اس کو اساء صنف کی طرح جو قلیل و کثیر پر یکساں دلالت کرتے ہیں اور کسی کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں رکھتے (اس کے عموم ہی پر بانی رکھا جائے۔

اس صورت میں اس کی حیثیت جوامع الکلم کی رہے گی۔ اور ہر وہ چیز اس سے ملادی جاسکے گی جہیں خیر کثیر ہو۔ البتہ قرآن کے اشارے سے بعض افراد صنف پر اس کی دلالت زیادہ واضح ہوگی۔

یہ تین احتمالات ہیں لیکن ہم اس کی تاویل میں، جیسا کہ ساتویں فصل کے بعد معلوم ہوگا، جس اصل پر نظر رکھیں گے وہ صرف سورہ کا نظم، آیات کا سیاق، اور معنی اور حسن تاویل کی تفتا ہے۔ سہ دوسرے وجوہ جن کا ہم تذکرہ کریں گے، یا روایات کی تطبیق جس سے ہم بحث کریں گے تو یہ ہم محض اس وجہ سے کریں گے کہ جو لوگ محاسن نظم اور حسن تاویل کی صحیح قدر و قیمت سے واقف نہیں ہیں۔ ان کے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔

اس تنہید کے بعد اب ہم کو ترکیبی تاویل میں وہ اقوال نقل کرتے ہیں جو سلف سے منقول ہیں۔



## ۳۔ کوثر کی تاویل میں سلف کے اقوال

علاء بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کوثر کی تاویل میں تین قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ کوثر اجنت میں ایک نہر ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ،

انسؓ اور مجاہدؓ اور ابوالعالیہؓ سے مروی ہے:-

۲۔ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یہ حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، مکرمہؓ، قتادہؓ اور

جہادؓ سے مروی ہے۔

۳۔ کوثر جنت میں ایک حوض ہے یہ عطاءؓ سے مروی ہے۔

میرے نزدیک ان میں سے پہلے اور تیسرے قول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کو ابو  
کا حوض اور جنت کی نہر بھی کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ حوض اسی نہر ماری کا ہو۔  
پھر حضرت مکرمہؓ ہی سے، جو کہتے ہیں کہ کوثر سے خیر کثیر مراد ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ کوثر  
سے مراد نبوت ہے۔ دوسری روایت ہے کہ کوثر قرآن ہے۔ اسی طرح حکمت اور اسلام  
کی روایتیں بھی ہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو نقل کر کے جو روایت خود اختیار  
کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ انہوں نے حضرت انسؓ کی روایت پر اعتماد  
کر لیا ہے، اور ان اقوال میں تطبیق دینے کی زحمت نہیں اٹھائی ہے۔ حالانکہ جو جامعہ ددنگر

بات کہتی ہے، انہی میں سے بعض پہلی بات بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح پہلی بات کے کچھ دالوں میں سے بعض دوسرے قول میں بھی شریک ہیں۔ پھر سب لوگ ہیں جن سے قرآن، مکت، اسلام اور نبوت کی روایتیں بھی ہیں۔ نیز روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ کوثر جنت میں الیگے بھی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیفیت بیان بھی کر دی تھی، پھر اس علم کے بعد، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے اختلاف کیوں کیا؟ خصوصاً جبرالہ اور ترجمان قرآن ابن عباسؓ اور ان کے شاگرد مکرّمہ کا اختلاف تو کسی طرح سمجھ میں آنے والا بات نہیں ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان کے اقوال پر غور کیا جائے، تاکہ اصل حقیقت بالکل واضح طور پر سامنے آجائے۔

## ۴۔ ان اقوال کا مآخذ اور اس امر کا بیان کہ ان سب کا مرجع ایک ہی جامع حقیقت ہے

جن لوگوں نے کوثر سے، جنت کی ایک نہر یا موقف کا حوض مراد لیا ہے، انہوں نے اس کو اسم مانا ہے، جو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا ہے، اور اس روایت پر اعتماد کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوض کے متعلق خبر دی ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اور جو لوگ اس سے ”خیر کثیر“ مراد لیتے ہیں وہ بات تو اس کا مفہوم یعنی ”خیر“ مہذوف مانتے ہیں کہ موقع ذکر نیت کا ہے، یا خود صفت ہی کو خیر کثیر کے مفہوم میں لے لیتے ہیں اور دونوں صورتوں میں تہجہ ایک ہی ہے۔ اس گروہ کا اعتماد مند بہ ذیل



دلائل ہے۔

۱۔ اگر لفظ کو ثمر صفت سے اسیت کی طرف منتقل ہوا ہوتا تو اس کو نکرہ آنا چاہیے تھا۔ مثلاً سبیل نسیم، یلینین، سمیں، غیلیس وغیرہ۔ اور قرآن چونکہ عربی میں ہے اسکی تشریح کرنا کیونکہ نام ہونے کی شکل میں اس کا مفہوم قرآن کی تشریح کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ کوثر کو لام تعریف کے ساتھ استعمال کرنا، اور آٹھ لکھ دو ایک ایسی چیز کا نام ہے جس سے لوگ واقف نہیں ہیں قرآن کے عربی میں ہونے کے سانی ہے۔ اس وجہ سے بطریق نص واکسی خاص چیز کا نام نہیں ہو سکتا، البتہ بطریق تاویل اس سے کوئی ایسی چیز مراد لے سکتے ہیں جس میں خیر کثیر ہو۔

۲۔ قرآن مجید کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ آخرت کی بخشش کو یا تو بعینہ مستقبل ذکر کرتا ہے یا ان کو ایسے قرآن کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے مستقبل سمجھا جاسکے مثلاً:-

وَلَسَوْتَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ  
فَتَرْضَىٰ (دوافع) اور جلد تیرا خدا اپنی بخشش سے  
تجھے خوش کر دے گا۔

يَبْعَثُكَ رَبُّكَ مَعًا  
تَحْمُودًا رَجِيًّا (ص: ۹۱) کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں  
لکھوا کرے۔

اس وجہ سے اگر اس سے کوئی ایسی چیز مراد ہوتی جو صرف آخرت ہی سے تعلق رکھنے والی ہوتی تو قرآن اس کو مستقبل ہی کے صیغہ سے بیان کرنا یا اس کے ساتھ کوئی ایسا واضح قرینہ ہوتا جو مستقبل پر دلیل ہوتا۔

۳۔ لفظ اپنے عموم پر باقی رہنے کی صورت میں زیادہ وسعت و جامعیت رکھتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ قرآن دريائے معانی ہے۔ پھر لفظ کو تر خود وسعت کا معنی ہے، تمدید اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے بہتر یہی ہے کہ اس کو اس کی وسعت پر باقی رکھا جائے۔

اس کے علاوہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جو لوگ اس سے خیر کثیر مراد لیتے ہیں، وہ اس حدیث کا انکار نہیں کرتے ہیں جو آخرت کے کوثر سے متعلق وارد ہے۔ وہ لفظ کو اس کی وسعت و عمومیت پر باقی رکھتے ہیں جس کے دائرہ میں آخرت کی بخششوں میں سے یہ جنت کی ہر بھی آجاتی ہے۔ اور موجودہ نعمتوں میں سے قرآن، حکمت، نبوت، اور اسلام بھی۔ وہ ان سب پر اس کا اطلاق بطریق تسبیہ و تعظیم بلکہ بطریق تفصیل کرتے ہیں یعنی لفظ کو اس کے عموم پر باقی رکھ کر اس کے مختلف معانی میں سے اس فرد پر اس کا اطلاق کرتے ہیں جو سب سے زیادہ جامع اور اکمل ہے۔

ہمارے ان اہل نادیل کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کوثر سے انھوں نے قرآن بھی مراد لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مبارک (مرحمت پر خیر و برکت) کہاہے۔ اسی طرح اس سے حکمت بھی مراد لی کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ: ۲۶۹)      جس کو حکمت بخشی گئی اس کو خیر کثیر ملے گا۔

اور درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ قرآن ہی تمام جو اہر حکمت کا خزانہ ہے، اسی اصول کے مطابق نبوت بھی اس کے دائرہ میں آگئی کیونکہ فرمایا گیا ہے:-

فَمَا آتَيْنَاكَ إِلَّا مَا نَحْنُ بِمُحْضَرِينَ      نہیں بجا ہم نے تم کو مگر تمام عالم

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء: ۱۰۷) کے لئے رحمت بنا کر

اسی طرح اسلام بھی اس میں داخل ہے۔ بلکہ اسلام کی وسعت و ہمہ گیری کا حال تو یہ ہے کہ تمام کائنات اس میں سما گئی ہے۔

وَالَّذِينَ اسْتَلَمُوا مِن فِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَالْعِلَالِ (سجہ) آسمانوں اور زمین میں جو ہیں اس کے  
سانے سر ملندہ ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہو کہ یہ تمام اقوال قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اگرچہ الفاظ مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذیل میں اولاد کی کثرت، علماء و اتباع کی زیادتی، فضائل اطلاق، حسن شہرت، نیک خلقی، مقام محمود اور خود اس سورہ کو اور تمام دوسرے انعامات خداوندی کو بھی واضح کیا ہے۔ اور اس کو ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں تو مذکورہ عمومیت میں داخل ہیں، لیکن بعض لفظ کوثر کے ساتھ کوئی واضح مناسبت نہیں رکھتیں۔ اہم لفظ کی عمومیت ان سب پر عادی ہے۔ مگر ہمارے نزدیک استنباط کے لحاظ سے، سلف کی تفسیر زیادہ صاف اور سچی ملی ہے۔

اس تفصیل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لفظ کوثر کی تحقیق میں بہت سے مذہب نہیں ہیں، جیسا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے۔ صرف دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ کوثر سے کوئی خاص چیز مراد لی جائے۔ یعنی عوضِ محشر یا نہرِ جنت، یا حکمت، یا قرآن، یا اسی قسم کی کوئی اور چیز۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ نام ہے ہر چیز جس میں خیر کی چیز جو اس کے دائرہ میں داخل ہے۔

جو لوگ اس کو کسی معین چیز کا نام قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہر جنت کا ذکر کوثر کے نام سے فرمایا ہے۔ اور جو لوگ اس کو نہر اور نہر کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے عام مانتے ہیں۔ وہ حدیث اور قرآن میں تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے قرآن کی تائیل، اس کی عبارت کو اقتضا و کلام طاقی کی، اور حدیث کی تائیل اس طرح کر دی ہے کہ وہ قرآن کے خلاف نہ پڑے۔ اس وجہ سے یہ اختلاف نہ ہوا بلکہ یہ دو تادیلوں میں جمع کی شکل ہوئی، کیونکہ عام اور خاص میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ کے دو مختلف قولوں میں اسی قسم کی تطبیق حضرت سعید بن جبیرؓ نے بھی دی ہے۔ چنانچہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت یہ کی ہے :-

حد ثنا ابو کریب قال حدثنا	سعید بن جبیر ابن عباسؓ سے روایت
عمر بن عبید عن عطاء عن	کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ کوثر
سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ	جنت میں ایک نہر ہے اس کے کنارے
قال الکوثر فھما فی الجحۃ	سونے اور چاندی کے ہیں اور وہ
حافنا من ذهب وفضۃ	موتیوں اور یاقوت پر ہوتی ہے۔
یجرى علی الیاقوت والذ	اس کا پانی برف سے زیادہ سفید
ما ولا ابغض من الشلج والی	اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔
من العسل	.....

دوسری روایت یہ ہے، اور اسی قسم کی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔

قال حدثني يعقوب قال  
 حدثني هشيم قال اخبرنا  
 ابو بشير وعطاء بن السائب  
 عن سعيد بن جبير عن  
 ابن عباس انه قال الكثر  
 هو الخير الكثير الذي  
 اعطاه الله اياه قال  
 ابو بشير فقلت لسعيد بن  
 جبير فان ما سائرهم  
 انه نهر في الجنة قال  
 فقال سعيد النهر الذي  
 في الجنة من الخير الذي  
 اعطاه الله اياه

کہا مجھ سے حدیث بیان کی یعقوب  
 نے، کہا مجھ سے حدیث بیان کی هشیم  
 کہا ہم کو خبر دی ابو بشیر اور عباس  
 ابن سائب نے ان دونوں نے  
 روایت کی ابی جابر سے کہ انھوں نے  
 کہا کہ کثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ  
 نے آنحضرت کو بخشا۔ ابو بشیر کہتے  
 ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ  
 کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کثر جنت  
 کی ایک نہر ہے، تو سعید نے جواب  
 دیا کہ جنت کی نہر اسی خیر کثیر  
 میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو  
 بخشا ہے۔

یہ دونوں کے درمیان تطبیق کی شکل ہے۔ یعنی خاص اور عام میں توفیق پیدا کر دی گئی  
 ہے۔ اب اگر قرآن اور حدیث کے درمیان کامل تطبیق کے لئے یہ کہا جائے کہ جو کثر اللہ تعالیٰ  
 نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں عطا فرمایا ہے، وہی اپنی حقیقی شکل میں موتغ کا  
 حوض اور جنت کی نہر ہے تو یہ تطبیق زیادہ بہتر ہوگی، اھم اعتبار تاویل بھی یہ تاویل زیادہ

مناسب اور خوبصورت ہے۔ ہم آئندہ فصلوں میں اسی اجمال کی شرح کریں گے۔

## ۵۔ چند اشارات کہ کوثر خانہ کعبہ اور اس کی ماحولیت

پچھلی فصلوں میں معلوم ہو چکا ہے کہ سلف نے کوثر آخرت کے بارہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ لفظ کی عمومیت اور صیغہ ماضی کی رعایت سے ان چیزوں کو بھی اس کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، جو داخل ہو سکتی تھیں تاکہ لفظ عام، وسیع، اور اپنی دلالت میں اسم باسمیٰ کوثر ہو یہی وجہ ہے کہ بعد کے مفسرین نے اس میں مزید تنجس اور کاوش جائز سمجھی۔ اگر اس کے متعلق کچھ کہنا بدعت و ضلالت ہوتا تو وہ خاموش رہتے اور سلف بھی اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے۔ اس وجہ سے اگر میں کسی ایسی تاویل کا سراغ لگاؤں، جو دونوں کوثروں کو ایک کر دے تو جس طرح میں سلف کو اس کی تاویل میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں پاتا اسی طرح اپنے کو بھی ان کے خلاف نہ سمجھوں گا۔ البتہ یہ فرق ہو گا کہ انھوں نے اس کو عام قرار دے کر اس سے حوض یا نہر نہت سمجھی اور ان کے ماسواہر وہ چیز جس میں خیر کثیر ہو مثلاً قرآن، حکمت، اسلام، نبوت، جن کو حوض یا نہر سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ مگر میں اس سے وہ چیز مراد ہوں گا جس کو اس حوض یا نہر سے نہایت واضح مناسبت ہے جس کی کیفیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، اور جس کی حقیقت و روحانیت، شب معراج میں، آپ کے سامنے بے نقاب ہوئی۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس مبارک رات میں جب پروردگار عالم نے اس عالم آب و گل کی بہت سی چیزوں کے حقائق آپ کے لئے بے حجاب کئے تو اس کوثر

کی روحانیت کا بھی آپ کو مشاہدہ کرایا جو اس دنیا میں آپ کو نبھائیگا۔

عالم غیب کے جو اسرار آپ پر بے نقاب ہوتے تھے، آپ کبھی ان کا ذکر تصریحاً فرماتے تھے۔ مثلاً سورہ بقرہ اور آل عمران کے متعلق فرمایا: ”وہ دونوں بدلیوں کی شکل میں نمودار ہوں گی۔“ دنیا کی بابت فرمایا: ”وہ ایک پھوسٹ بڑھیا کی شکل میں آئے گی۔“ موت کی نسبت فرمایا: ”وہ ایک مینڈھے کی صورت میں آئے گی۔“ اور کبھی صرف اشارہ فرما دیتے تھے تاکہ لوگ اس پر تدبیر کریں، اور ان کے ذہن و عقل کی تربیت ہو۔ اس وجہ سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریحاً کہیں یہ نہیں فرمایا کہ فائدہ کعبہ، قیامت کے دن حوض کوثر کی شکل میں نمودار ہوگا، کیونکہ آپ نے اس کی طرف اشارات فرمائے ہیں اور ہم کو ان اشارات پر غور و فکر کی ترغیب دی ہے۔

اس تہید کے بعد اب ہم ان اشارات کی تفصیل کرتے ہیں جو ہمارے دعویٰ پر حجت ہیں۔

۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے نفوس کے اندر، خدا کی طرف ایک فطری شوق و رغبت موجود ہے۔ نفس انسانی اس چیز سے محروم رہ کر تسلی نہیں پاسکتا۔ انسان کی یہی فطرت مذاہب و ادیان کے وجود کا باعث ہوئی ہے۔ اسی اشتیاق و بے قراری کا یہ نتیجہ ہے کہ تم دنیا کی کوئی قوم مذہب سے غالی نہیں پاتے۔

اب سوچو، اس فطری اشتیاق اور پیاہ کی سب سے زیادہ موزوں تعبیر ”پاس“ کے سوا اور کس چیز سے ہو سکتی ہے؟ زبور میں یہی تمثیل اکثر استعمال ہوئی ہے۔ اگر یہ صحیح

ہے تو اس کو پیشِ نظر رکھ کر ان ماضیانِ توحید کے حال پر غور کرو، جو حج کے ایام میں بہت اُٹھ کے پاس سراپا شوق و آرزو ہو کر جمع ہوتے ہیں۔ کیا ان کی مثال، ان خشک لب پیاسوں کی نہیں ہے جو شدید تشنگی سے مضطرب ہو کر کسی حوض کے پاس جمع ہو گئے ہوں؟ اگر یہ مشابہت واضح ہے تو لامحالہ خانہ کعبہ ان کے لئے دنیا میں اس حوض کوثر کی مثال ہے، جس پر میدانِ حشر میں وہ کجا ہوں گے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مسجدوں کو نہر سے تشبیہ دی ہے صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:-

ارأیتون ان لخصا ابواب  
مجاہلاتا و اگر تم میں سے کسی کے  
احداکم یغسل فیہ کل یوم  
دروازہ پر ایک نہر جو میں وہ  
خمساً (الحادیث) روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔

یہ تشبیہ بھی ایک دوسرے پہلو سے پانی کی تمثیل ہے۔ پانی جس طرح سیرابی کا ذریعہ ہے، اسی طرح لہارت کا بھی ذریعہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہماری تمام نمازوں کا سرخِ شہید بیت اللہ ہے، اس اعتبار سے ہماری تمام مسجدیں گویا اسی سرخِ شہید کی نہریں ہیں، جن سے ہم سیرابی اور پاکی حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ خانہ کعبہ کے اجتماع سے جس طرح دوسری امتوں کے مقابل میں، امت مسلمہ کی کثرت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح حوض کوثر پر اس کا اجتماع اس کی کثرت کے اظہار کا سبب ہوگا۔ اس کثرت کے ظاہر کرنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ کسی ایک مخصوص مقام پر



اس کا اجتماع ہو۔ دوسری امتیں اس اجتماع سے اندازہ کرتی ہیں، کہ زائرین بیت اللہ کا یہ تسلط و ستم و اس سحر و سحران کا صرف ایک قطرہ ہے، جو پوری سطح ارض پر پھیلا ہوا ہو۔ پس جس طرح حوض کوثر پر اس کے اجتماع سے دوسرے انبیاء کی امتوں پر اس کی کثرت واضح ہو گئی، اسی طرح موسم حج میں، خانہ کعبہ کے پاس اس کا اجتماع اظہار کثرت کا ایک جلوہ ہے۔ غور کرو! لفظ کوثر ان دونوں کی مطابقت کو کس طرح واضح کر رہا ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی امت کو حوض کوثر پر وضو کے آنا سے پہچانیں گے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ غلو ص قلب کے ساتھ اس گھر کی زیارت کریں گے وہی لوگ آخرت میں اس حوض پر آئیں گے جو اس گھر کی حقیقت ہے۔

۵۔ فتح مکہ کو خدا نے امت کی کثرت کا سبب بنایا۔ چنانچہ حج اکبر کے بعد لوگ گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۶۔ مسجد حرام کو خدا نے مبارک و سرخشنید خیر و برکت کہا ہے۔

إِنَّا أَذَلَّ بَيْتٍ وَضَعْنَا  
لِلنَّاسِ الَّذِي بَيْنَكَ مَبَارَكًا  
وَهَذَا لِلْعَالَمِينَ

ہم نے تمہارے گھر کو جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے سرخشنید خیر و برکت اور لوگوں کے لئے ہدایت۔

دال عمران: ۹۶

اس گھر کو خدا نے ایسی برکت سے نوازا کہ تمام عالم اس کی برکتوں سے مالا مال ہوا۔

جیسا کہ ابراہیم خلیلؑ سے وعدہ کیا گیا تھا، حضرت اسمیٰؑ کی ذریت میں خدا کی برکت حضرت اسمیٰؑ کی ذریت سے زیادہ ہوئی، اس اجمال کی تفصیل سورہ فیل میں گذر چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام برکتیں اسی بیت اللہ اور نماز و قربانی کا ثمرہ ہیں۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے قرآن کو بھی مبارک کہا ہے۔ اس وجہ سے جو حق کلمہ کے ساتھ قرآن کی مشابہت بھی واضح ہے۔ لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن کو مبارک دوسرے پہلو سے کہا گیا ہے جس طرح بارش کو خدا نے مبارک کہا ہے، اسی طرح قرآن کو بھی مبارک کہا ہے۔ بارش آسمان سے برس کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے اور قرآن نے آسمان سے نازل ہو کر مردہ دلوں کو زندہ کر دیا۔ قرآن کو مبارک کہنے میں حوض سے مشابہت کا کوئی پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کی عظمت اور بے پایاں وسعت کے لحاظ سے یہ تشبیہ بلاغت کے خلاف ہوگی۔

۷۔ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی ہے جو فتح مکہ، حج، نماز، قربانی، علیہ السلام اور کثرت امت کا فتح باب ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے اس صلح کو ”فتح مبین“ سے تعبیر کیا۔ سورہ کے زمانہ نزول پر چودھویں فصل میں مفصل گفتگو ہوگی۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوض کے ایک گوشہ کے متعلق خبر دے کر باتنی کی طرف اشارہ کر دیا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے:-

قال علیہ السلام ما بین	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
بینی و منبری روضۃ من	فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے

ریاض الجنۃ ومنبری  
علی حوضی۔  
دریانِ جنت کے بانگوں میں سے اک  
بانگ ہے، اور میرا منبر میرے حوض  
کے اوپر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مبارک سرزمین، جس میں حجاج کجا ہوتے ہیں، اس حوض کوثر  
کی شکل اختیار کرے گی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ میرے نزدیک بخاری کی  
مندرجہ ذیل روایت (مذکورہ منبر) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے، ایک شخص کے جوازہ کی نماز پڑھائی، پھر منبر  
پر تشریف لائے (یعنی منبر مسجد پر) اور فرمایا:-

انی نزل لکودا ماضحید	میں تمہارے لئے حوض پر آگے جاؤں گا
علیکم وانی واللہ لا نظیر	ہوں، اور تمہارے لئے شہادت
الی حوضی الان وانی اعطی	دوں گا، اور قسم خدا کی میں اس
مفاتیح خزائن الارض	وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں
او مفاتیح الارض وانی	اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنیاں
واللہ ما اخاف علیکم ان	دی گئی ہیں یا رادوی کو شہید ہے،
تساکوا بعدی ولكن اخاف	آپ نے یہ فرمایا کہ زمین کی کنیاں
علیکم ان تافسوا فیہا	دی گئی ہیں۔ اور مجھے خدا کی قسم
	تم سے اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ

تم میرے بعد ترک کر دو گے، لیکن  
اس بات کا ڈر ہے کہ تمہاری بھاگ دوڑ  
طلب دنیا کی راہ میں ہو جائے۔

فُط "عربی میں، اس شخص کو کہتے ہیں جو حوض پر پہلے سے پہنچ کر قافلہ کے لئے ڈول  
اور رسی وغیرہ کا انتظام کر کے حوض کو بھر رکھتا ہے" شہید علیہ السلام سے یہ مطلب ہے کہ  
آپ اپنی امت کو پہنچائیں گے، اور جو لوگ آپ کی امت میں سے ہوں گے ان کے امت  
میں سے ہونے کی گواہی دیں گے۔ یہ آپ کی طرف سے شفاعت ہوگی۔

ان لفظوں میں، آپ نے ان حالات کو بیان فرمایا ہے جو آخرت میں پیش آئیں گے۔  
پھر آپ نے اشارہ فرمادیا کہ اس حوض کو ترکی ظاہری مثال آپ کے سامنے ہے، کیونکہ جیسا کہ پہلے  
گزر چکا ہے آپ کا مبرا آپ کے حوض کے اوپر ہے۔ اور یہ جواب آپ نے فرمایا: مجھے زمین کے خزانوں  
کی کنجیاں دی گئی ہیں، تو اس سے فتح مکہ کے اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ  
نے پورا فرمایا، چنانچہ فتح مکہ تمام زمین اور اس کے خزانوں کی فتح کا دیباچہ ثابت ہوئی  
۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا ہے کہ آپ کے حوض کا طول یکہ  
اور مدینہ کے ماہی مہانت قبضہ ہے، اس لطیف اشارہ سے ارض حرم اور آپ کے حوض  
کی مطابقت بھی واضح ہو گئی۔

لیکن اس جگہ ایک شخص کے دل میں خدشہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی  
مراہی تھی تو اس کو کھول کر کیوں نہیں فرمادیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حقیقت کی

تعبیر کے لئے قرآن مجید نے جو لفظ انتخاب کیا ہے، وہ بے شمار حقائق و معارف کا گنجینہ اور  
لئے دعوتِ تفکر ہے۔ یہ ایک لفظ امت کی کثرت، کمہ کی فتح، ایامِ حج میں خانہ کعبہ کے پاس  
اور محشر میں حوض کوثر پر امت کے اردو عام کو بیک وقت ظاہر کر رہا ہے۔

یہ تمام اشارات ہم نے اس مقصد کی تہید و تائید کے لئے یکا کئے ہیں جو نظمِ کلام سے  
واضح ہو رہا ہے اور جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلی فصلوں میں آئے گی۔

اب معمولی و بدوقوف کر کے حوض کوثر کی شکل و ہیئت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔  
ہمارا خیال ہے کہ اس سے بھی ہمارے مذکورہ نظریہ کی تائید ہو رہی ہے کہ کوثرِ آخرت  
درحقیقت خانہ کعبہ اور اس کے ماحول ہی کی روحانی تصویر ہے۔ بعد کی فصل میں اس ماحول  
کی تفصیل ہے۔

## ۶۔ نہر کوثر خانہ کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانیت کی تصویر ہے

میراج میں جو نہر کوثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرائی گئی تھی، اس کی  
صفات پر جو شخص بھی غور کرے گا، اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نہر کوثر درحقیقت  
کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی مثال ہے۔ اس کے متعلق مختلف طریقوں سے جو  
روایات مروی ہیں، ان کی مشترک حقیقت یہ ہے کہ کوثر ایک نہر ہے، اس کے کناروں  
پر خوف موتیوں کے محل ہیں، اس کی زمین یا قوت و مرجان اندر برجد کی ہے۔ اس میں

لکھ رہے ہیں جو آسمان کے تاروں کے مانند ہیں۔ اس کا پانی دو دھسے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، ہرٹ سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر چڑیاں اترتی ہیں، جن کی گردیں قربانی کے جانوروں کی طرح ہیں۔ ایک شخص نے کہا تب تو وہ بہت ہی خوش قسمت ہوں گی۔ آپ نے فرمایا:۔ ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش قسمت ہوں گے۔ اس کے پانی کی آواز ایسی محسوس ہوگی جیسے تم اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے ہو۔

یہ تفصیلات ہم نے تمام روایات جمع کر کے کجا کی ہیں۔ بخاری میں یہ الفاظ ہیں۔  
 بینا انا اسیر فی الجحۃ اذ  
 میں جنت میں گنت کر رہا تھا کہ  
 لانا ہسرا حاقنا لا قبا لہ  
 ناگہاں ایک نہر پر گزر رہا کہ  
 المحوف فقلت ما هذا یا  
 دونوں کناروں پر عجیب موتیوں  
 جبریل قال ہذا الکوشر  
 کے محل تھے میں نے جبریل سے  
 الذی اعطاک سبک قال  
 پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا  
 فصب المملک بید کا فاما  
 یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے  
 طینہ مسل اذا فر  
 رب نے بخشا ہے۔ فرمایا پھر فرشتہ  
 نے زمین پر ہاتھ مارا تو اس کی  
 مٹی نہایت خوشبودار مشک تھی

اب ایک لمحہ توقف کر کے کعبہ اور اس کے ماحول کے مشاہدات پر غور کرو جب تمام

انکاف عالم سے جاں نثاران توحید کے قافلے عشق و محبت الہی کی پیاس بجھانے کے لئے اس چشمہ خیر و برکت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ کیا ان کے احساس روحانی میں، اس مقدس وادی کے سنگریزے، یا قوت و زمرہ سے زیادہ پرہال، اس کی مٹی شک سے زیادہ خوشبودار اور اس کے ارد گرد حجاج کے خیمے، مجوف موتیوں کے قبوں سے زیادہ حسین و خوبصورت نہیں ہیں؟ پھر حجاج اور ان کے ساتھ قربانی کے اونٹوں کی قطاروں پر ایک نظر ڈالو۔ کیا یہ ایک چشمہ کے کنارے لمبی گردن والی چڑیوں کا جھنڈ نہیں ہے؟ پھر ان کی خوش بختی اور فیروز مندی پر غور کرو۔ یہ اشرف المخلوقات انسان کے قائم مقام بن کر خدا کے سامنے قربان ہوں گے۔ گویا وہ ہنزلہ انسان ہیں۔ ان سے بڑھ کر خوش بخت اور فیروز مند کون ہو سکتا ہے؟ پھر ان کے خوش قسمت کھانے والوں کو دیکھو، یہ کون ہیں؟ اللہ کے ہمان! کیا اللہ کے ہمانوں سے بھی بڑھ کر کسی کا نصیب اچھا ہے؟

ایک نگاہ تہق اس تشبیہ کے محاسن پر بھی ڈالو، حوض پر اتارنے والی چڑیوں کو، قربانی کے اونٹوں سے تشبیہ دیکر اور ان کے کھانے والوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ چڑیوں سے مقصود یہی قربانی کا اونٹ ہیں۔ پھر اشارہ کنایہ لطیف ہے؛ چڑیوں کی گردن کو قربانی کے اونٹوں کی گردن سے تشبیہ دی ہے کہ اس جڑ سے پورے کل پر روشنی پڑ جائے نیز دیکھو! 'بٹن' کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ 'جزوہ' کا لفظ استعمال کیا جس کی عمومیت میں اسہام ہے۔

تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنی رازداری اور اس قدر اشارات و کنایات کی کیا ضرورت

ہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تا کہ عقل سلیم اس سے حقائق کا استنباط کرے۔ اللہ تعالیٰ جب قرآن میں دلائل حکمت کی تفصیل کرتا ہے تو آخر میں عموماً یہ آیت آتی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ  
اس میں غور کرنے والوں کے لئے  
بہت سی دلیلیں ہیں۔

کہیں کہیں ”یعلمون“ اور ”یتفکرون“ کے الفاظ بھی آتے ہیں جس طرح قرآن مجید سراپا دعوت فکر و نظر ہے، اسی طرح اس کا حامل بھی بہترین مسلم تھا۔ وہ عقل انسانی کی تربیت کرتا تھا، اور اس کو کتاب حکمت کے لائق بناتا تھا۔ اس تربیت عقل کیلئے آپ بسا اٹھا صحابہؓ نے بعض امور کی مخفی مناسبتوں کے متعلق سوالات بھی کرتے رہتے تھے مثلاً ایک مرتبہ آپؐ نے پوچھا درختوں میں سے مومن سے مشابہت رکھنے والا کون درخت ہے؟ اسی طرح عیسیٰؑ علیہ السلام اشال میں گفتگو فرماتے تھے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ آپؐ کھول کر بات کیوں نہیں کہتے؟ انھوں نے جواب دیا ”تاکہ عقلا ہی سمجھیں“ بعینہ یہی حقیقت قرآن پاک کی اس آیت میں ہے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَاسٍ لِّئَلَّا يَعْقِلُوا  
بِئْسَ مِثْلُ بَعْضِ الْبَنَاتِ  
لِنَاسٍ وَمَا يَفْقَهُهَا إِلَّا  
الْعَالِمُونَ (النکبت: ۳۴)

یہ بنیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں لیکن اس کو وہی سمجھیں گے جو اہل علم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اشارات کو تعلیم و تربیت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔



## ۷۔ یروشلم کی روحانیت

ہم نے گذشتہ فصل میں خانہ کعبہ کی روحانیت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، مکاشفۃ یوحنا باب ۲۱ : ۱۰ میں اسی کے مشابیر یروشلم کی روحانیت بھی بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

اور وہ مجھے روح میں ایک بڑے اور اونچے پہاڑ پر لے گیا۔ اور شہر مقدس یروشلم کو خدا کے پاس سے اترتے دکھایا۔ اس میں خدا کا جلال تھا۔ اور اسکی چمک نہایت قیمتی تھیں یعنی اسیشب کی سی تھی، جو بلور کی طرح شفاف ہو  
 اس کے بعد اس کی شہرِ نہا، ساف، دروازوں اور اس کے رہنے والوں  
 یعنی خاندان اسرائیل کے بارقہیلوں کی تفصیل کے بعد کہا، اور اس کی  
 شہرِ نہا کی تعمیریشب کی تھی، اور شہر ایسے خالص سونے کا تھا جو شفاف  
 شیشے کے مانند ہو۔ اور اس شہر کی شہرِ نہا کی بنیادیں ہر طرح کے جواہر سے  
 آراستہ تھیں، پہلی بنیادیشب کی تھی، دوسری نیلم کی، تیسری شب چرخ  
 کی، چوتھی زرد کی، پانچویں عقیق کی، چھٹی لعل کی، ساتویں سنہرے پتھر کی، آٹھویں  
 فیروزے کی، نویں زبرجہ کی، دسویں ہنسی کی، گیارہویں سنگ سنبل کی اور  
 بارہویں یاقوت کی، اور بارہ دروازے بارہ موتیوں کے تھے۔ ہر دروازہ  
 ایک ایک موتی کا تھا، اور شہر کی سڑک شفاف شیشے کے مانند خالص سونے

کی تھی، اس کے بعد کہا ہے کہ "اس میں کوئی مقدس نہیں ہے اور اس میں  
 صرف ایک خدا کی عبادت ہوگی!"  
 ممکن ہے کہ نقل و روایت میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی ہو۔ ہمارا مقصد اس سے صرف  
 یہ دکھانا ہے کہ دنیا میں جو ایمان و اعراض ہیں، ان کی روحانی مثال کا خیال ایک معلوم  
 و مشہور حقیقت ہے۔

یوحنا نے اپنے مکاشفین میں صرف ان صفات کا تذکرہ کیا ہے جو قوتِ باہرہ کی گرفت  
 میں آتی ہیں۔ لیکن کعبہ کی جو روحانیت بیان ہوئی ہے اس میں ہر حاسکے لئے طاعت ہے۔  
 یہاں تک کہ بانی کی مدافنی کی آواز کا بھی ذکر ہے۔ اور ایک پیاسے کے لئے، دور سے پانی کی  
 روانی کے نعمت سے زیادہ شیریں اور جانفزائے ہو سکتا ہے! پھر جو دیدارِ الہی کی پیاس  
 سے تڑپ رہے ہیں، ان کے لئے شیریں اور ٹھنڈے پانی کی سیرابی اگر نہیں ہے تو کیا ہے؟  
 حضرت یسوع نے ایسوں ہی کے بارہیں فرمایا ہے :-  
 "مبارک ہیں وہ جو بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہی آسودہ ہوں گے!"

## ۸۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ كَيْ تَفْسِرَ

لفظ کوثر کا ٹیک ٹیک مطلب معلوم ہو جانے کے بعد پہلی آیت کی تفسیر واضح  
 ہو گئی یعنی پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت اور کثرتِ امت کی جو گرانمایہ دولت  
 مقدر تھی، اس آیت میں اسی کا پیامِ نبارت ہے۔ جب اس وعدہ کی تکمیل کا وقت قریب

آگیا تو اس کی خبر دے دی گئی تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے اسلام کا  
 فیلہ اور کمر کی فتح کی خوشخبری ہو۔ یعنی سادہ لفظوں میں گویا یوں کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے  
 تم کو ناز پڑھنے والی اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم انسان امتِ دی ہے  
 جو بہت اللہ الحرام کا مع کرے گی۔ سورہ حج میں یہی مضمون تفصیل کے ساتھ بیان ہوا  
 ہے۔ ملاحظہ ہو:-

وَاذْكُرْ بِنَا هَيْمَ	یا ذکر جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ
مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَا	کے پاس آباد کیا اور یہ ہدایت کی
تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا وَّلَهَا	کر میرا کسی کو ساتھی نہ بنانا اور
بَنِيْ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاثِمِيْنَ	میرے گھر کو طواف کرنے والوں
وَالرَّجْعِ السَّجْدِ	اور میری عبادت میں کھڑے
رَاسِ الْمَصْلِيْنَ وَاَذِنُ فِي النَّارِ	ہونے والوں اور رکوع و سجدہ
بِالنَّجْمِ يَأْتُوْنَكَ رِجَالًا	کرنے والوں دینی نماز پڑھنے والوں
وَعَلَى كُلِّ صَامِرٍ بِئَاتِيْنِ	کے لئے پاک رکعت اور نوگوں میں
مِنْ كُلِّ فِرْعَوْنِيْنِ	حج کا اعانہ کر دو وہ تمہارے

پاس پیادہ اور لاٹھیاؤں پر  
 گہرے راستوں سے آئیں۔

یعنی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے قریب سے پیادہ آئیں اور دور دراز گوشوں سے سدھائے ہوئے

لا غراؤنوں پر۔ اور مکہ میں ہر راہ سے داخل ہوں، یہاں تک کہ آمد و شد کی کثرت سے راستے گہرے ہو جائیں،

لَيْسَ هَذَا وَمَنْعَ لَهٗوُ تاکہ اپنے منافع کی نگہ پر آئیں۔  
 دینی یہ شہران کا مرکز بنے گا، وہ اس کی تجارت سے منفعت حاصل کریں گے اور  
 اس میں ان کا باہمی میل جول، ان کے اجتماعی رشتوں اور رحمی تعلقات کے استحکام کا  
 ذریعہ ہو گا۔ چنانچہ عرفات کے اجتماع میں خطیب ان کو صلح اور صلہ رحمی کی دعوت  
 دیتا تھا اور اسی وجہ سے عرب مکہ کو صلاح، اور ام المرحم بھی کہتے تھے۔ اس سے زیادہ  
 معاشی اور اجتماعی فوائد اور کیا ہو سکتے ہیں؟

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي  
 اَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰی مَا  
 سَرَّاهُمْ مِنْ بَہِیْمَةٍ  
 الْاَنْعَامِ اور چند متعین دنوں میں، ان  
 چوبالیوں پر جو اللہ نے ان کو  
 روزی کئے ہیں اللہ کا  
 نام لیں۔

وہ دینی منفعت ہے۔ عربوں نے باوجود شرک کے خدا کو نہیں چھوڑا تھا البتہ  
 اس کے دربار کے لئے شفعاء ٹھہرائے تھے۔

فَلَكُمْ مِنْهَا اَطْعِمُوا الْبَائِسَ  
 الْفَقِيرَ ہیں اس میں سے کھاؤ اور تنگ حال  
 فقیروں کو کھلاؤ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ ایک عظیم الشان امت کے لئے، توحید،

غذا اور اطعمہ فقرا کا مرکز بنایا گیا ہے۔ اور یہ امت دنیا کے تمام گوشوں سے اس گھر کے حج کے لئے مجتمع ہوگی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اس عظیم الشان امت کے لئے ایک نبی مبعوث فرمائے۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ حضرت ابراہیم سے خدا نے ان کی ذریت کی کثرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور توریت میں ہے کہ کثرتِ ذریت کا وعدہ حضرت اسمعیلؑ کی نس میں خاص طور پر پورا ہو گا۔ چنانچہ اہل کتاب کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بخشش کی خوشخبری آپ کی نبوت کے شروع ہی میں دے دی تھی۔ چنانچہ سورہ البغیٰ میں ہے:-

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ  
فَتَرْضَىٰ  
بلد تیرا خدا اپنی بخشش سے تجھے  
خوش کر دے گا۔

یہی وعدہ جس کے قرب کا ذکر فرمایا تھا ”إِنَّا آعْطَيْنَا“ کہہ کر پورا کر دیا۔ اب لفظ کوثر کو سامنے رکھ کر فقرہ صحنیٰ کی تفسیر پر غور کرو۔ رحمتِ عالم کو نفاہتِ رحمت کی وجہ سے، لوگوں کو ہدایت و اصلاح کی جو بے پایاں آرزو تھی وہ نہ تو ایک محدود امت کے ایمان و اسلام سے پوری ہو سکتی تھی، اور نہ اس طرح پوری ہو سکتی تھی کہ دنیا میں تو آپ کے تبعین کی کثرت ہو لیکن آخرت میں یہ نعت چھن جائے۔ اور حوضِ کوثر پر ان کی تعداد نحوڑی رہ جائے۔ ”فقد رُحیٰ“ اور ”الکوثر“ کے الفاظ نے ان تمام شبہات کا ازالہ کر دیا۔ چنانچہ لیک سے زیادہ صحیح احادیث میں آپ کی امت کی کثرت کا ذکر آیا ہے۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں پہلی آیت پر غور کرو! اس میں متعدد و بشارتیں



اس آخری چیز سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت یہ صرف ہم ہی ہیں۔ مشرکین اور یہود و نصاریٰ اس شرف سے محروم ہیں۔ مشرکین اس لئے کہ ان کی نماز اور قربانی اللہ واحد کے لئے نہیں تھی۔ یہود اس وجہ سے کہ انہوں نے صرف قربانی لے لی۔ اور نماز غائب کر دی۔ یزید کی قربانی "نحر" تھی۔ نحر کا لفظ اونٹ کی قربانی کے لئے مخصوص ہے اور اونٹ ان کے ہاں حرام تھا۔ نصاریٰ، اس دم سے کہ ان کے ہاں قربانی سرے سے ہے ہی نہیں، اور نماز ان کے خیال میں واجب نہیں ہے۔ یہ عمل اشارات ہیں یہاں ان کی تفصیل کی ضرورت ہے۔ ہم متعدد فصلوں میں ان اشارات کی شرح کریں گے۔

پہلی دو باتیں تو اس فصل میں بیان کئے دیتے ہیں۔ باقی دو باتوں کی تفصیل آئندہ فصلوں میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عطیہ کی بشارت دینے کے بعد، دو باتوں کا حکم دیا :- نماز اور قربانی۔ اور امر کے صیغہ پر تعقیب کی "ف" داخل کی۔ قواعد زبان کے اعتبار سے تعقیب کی "ف" سابق و لاحق یعنی عطیہ اور حکم کے درمیان نسبت اور تعلق کی دلیل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے نظم کلام پر غور کیا، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے دو بات کے بعض پہلو معلوم ہوئے جو ذیل میں ہم بہ ترتیب بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اس حکم میں، اس بخش کا اصلی مقصود یہاں ہے، کیونکہ بخشش بہت بڑے مقصد کے لئے تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے :-

اللَّذِينَ إِن مَّكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ  
 أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ  
 وَآمَرُوا بِأَعْيُنِهِمْ  
 وَهُمْ أَعْيُنُ الْمُنْكَرِ سَدَح: ۴۱

جو اگر ہم ان کو زمین رکھ میں  
 قیام دیں، تو نماز قائم کریں گے  
 زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں  
 منکر سے روکیں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے :-

رَبَّنَا إِنِّي أَتَمَسَّكْتُ مِنْ  
 ذُرِّيَّتِي بِوَإِدْعَائِي ذُرِّيَّتِي  
 عَنِ بَيْتِكَ الْمَحْرُومِ رَبَّنَا  
 لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَفَأَجْعَلْ  
 آفِئَةً مِّنَ النَّاسِ لِيَهْوَى  
 إِلَيْهِمْ رَأْيِي يَا تَوَنُّ إِلَيْهِمْ  
 يَحْجُونَ بَيْتَكَ

اے پروردگار! میں نے اپنی  
 اولاد میں سے بعض کو اس بجلی  
 کی زمین میں تیرے حرمت والے  
 گھر کے پاس، بایا ہے اے ہمارے  
 پروردگار! اس لئے کہ یہ نماز  
 قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں  
 کو ان کی طرف مائل کر دے یعنی  
 لوگ ان کے پاس تیرے گھر کی  
 زیارت کے لئے آئیں۔

(ابراہیم: ۷۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے قدیم وطن سے ہجرت  
 کر کے ایک بے آب و سبز زمیں میں بسنا، محض اس لئے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت کا  
 ایک مرکز تعمیر ہو جو لوگوں کی عقیدت و انابت، سعی و طواف اور نذر و نیاز کا قبلہ بنے



اور جس طرح غلام اپنے اتا کی ڈیوڑھی پر گوش بر آواز سرگرم خدمت رہتے ہیں، اس طرح لوگ اس گھر کی طرف لبیک لبیک، لائٹریک لک لبیک کہتے ہوئے بڑھیں۔ اور اپنے امام کی زبان سے گھر والے کے ادا مردنوا ہی سے آگاہ ہوں۔ اسی لئے فرمایا ہے:-

دَاذَنْ فِي النَّاسِ بَايُحَجَّ  
يَا تُولِي (الحج: ۷۰)  
اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو  
کہ وہ تمہارے پاس آئیں۔

(یعنی تمہارے پاس حکمت و معرفت کی باتیں سننے آئیں کیونکہ جس طرح مکہ لوگوں کے لئے مرکز اور سرچشمہ برکت و ہدایت تھا، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ لوگوں کے امام تھے۔ اس لئے آپ لوگوں کی نیربانی کرتے تھے اور ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے ان کے سامنے خطبہ دیتے تھے۔ ابتدائے بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے ارادہ سے اپنے خاندان کے لوگوں کی دعوت کی تھی وہ بھی اسی سنت ابراہیمی کی پیروی تھی۔ حج کے دوسرے مراسم کے ساتھ، جیسا کہ ہم سورہ جلد کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں، خطبہ کی سنت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد باقی رہی۔)

پھر نیاز کے جو جانور ساتھ لائے ہیں ان کا گوشت خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ اور شکر گزار ہوں کہ آقا خود اپنی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے سوغات بخشی اور پھر خود اس کو قبول فرما کر غلاموں کو سرفراز فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس گھر کی تعمیر نہایت عظیم الشان مقاصد کے لئے ہوئی ہے اور خدا نے انہی مقاصد کی خدمت اور تکمیل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر

کہہ دیا ہے۔ ان متعاصد کالب لباب و وحیز میں ہیں۔ نماز اور قربانی۔ پس اس عطیہ کے ذکر کے بعد ان دونوں چیزوں کا ذکر کر دیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عطیہ یوں ہی نہیں مل رہا ہے بلکہ اس کے کچھ حقوق و فرائض ہیں جن کا اہتمام اصلی مقصود ہے۔ یہ قبائے حقوق کے عام اور معروف قانون کے مطابق ایک مسلم حق کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ کوئی عطیہ بغیر کسی فرض کی ذمہ داری کے نہیں ملا کر واجب ہم کچھ ملے رہے ہیں تو لا محالہ ہم کو کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بھی آمادہ رہنا چاہیے۔ مندرجہ ذیل آیات میں جو بات فرمائی گئی ہے اس کی بنیاد اسی حقیقت پر ہے۔

لَيْسَلُكُمُ فِيهَا نَكْرٌ (الأنعام: ۱۶۵)  
اَشْحَنَ كَمَا احْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ  
(القصاص: ۷۷)  
تا کہ تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں آزمائے  
اللہ نے جس طرح تم پر احسان فرمایا  
اسی طرح تم دوسروں کے ساتھ

احسان کرو۔

وَأَتُوا حَقَّ يَوْمِهِمْ فَاصْصَادُكَ  
اور اس کی کٹائی کے دن اس کا

(الأنعام: ۳۱) حق دو۔

۲۔ ربط کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس عطیہ کے ذکر کے بعد اس چیز کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کے بقا و قیام کی بنیاد ہے۔ چنانچہ نماز اور قربانی کا حکم نام امت کے لئے عام ہوا، کیونکہ یہ نعمت بھی پیغمبر اور آپ کی امت کے لئے عام تھی، پیغمبر امت کا وکیل ہوتا ہے، اس وجہ سے جو کچھ اس کو ملتا ہے، اس میں امت بھی برابر کی شریک ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ میں تمہارے لئے خوف پر آگے جانے والا ہوں، پیسہ چھوڑ  
ناز اور قربانی کا حکم عام ہے، یہ بات سیاق کلام سے ظاہر ہو رہی ہے۔

جب کوئی عبادت کسی علیحدہ کے ساتھ مخصوص کر دی جائے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ  
اس کی پابندی ہی اس نعمت کے بقا کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اسی حقیقت کو اس آیت میں  
بیان کیا گیا ہے ۱۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ  
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ  
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ  
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ  
اور اس سے مراد اس سے جج ہی ہے، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جج نازی میں سے ہے۔ جج کے اعمال  
وہ اس سے بھی اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ بیت اللہ کا مقصد  
نازی ہے اور اسی مقصد کے لئے اس کی تعمیر ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے استطاعت کے باوجود  
اس گھر کا حج نہ کیا، اس نے اس کا مقصد پورا نہیں کیا۔ بعینہ یہی حال قربانی کا ہے جس نے  
حج کی قربانی کی سعادت حاصل نہ کی، وہ حقیقت اصلی قربانی سے محروم ہے جو شخص اس

میں تبدیلی نہ کرے۔ (سعد - ۱۱)



کئے ہوئے تھی اور دوسری طرف اس میں بشارت، تسلی اور اظہار محبت کے بھی نہایت جاہل ۱۶ پہلو ہیں۔

۴۔ یہ اس عہد کا بیان ہے جس کی دوسری خدا کے عطیہ کے بعد از خود ہم پر مائدہ ہو جاتی ہے، کیونکہ نماز اور قربانی کے حکم کو خدا نے اپنے عطیہ کے ساتھ گویا مشروہ کیا ہے۔ اس وجہ سے جب ہم نے خدا کا عطیہ قبول کر لیا تو لازماً اس حکم کو بھی اپنے اوپر واجب کر لیا۔ اور اس سے یہ بھی نکلا کہ جب تک ہم اس عہد پر قائم رہیں گے یہ عطیہ بھی ہمارے لئے باقی رہے گا۔

یہ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے جس طرح کا معاملہ آدم جوا کے ساتھ ہوا تھا۔ خدا نے ان کو جنت میں سکونت اور ہر چیز سے آذادانہ فائدہ اٹھانے کی اجازت دی لیکن ایک مخصوص درخت کے پاس جانے کی ممانعت کر دی جب انھوں نے خدا کے بچنے ہوئے عطیہ کو قبول کر لیا تو لازماً ان کے اوپر خدا کا یہ عہد بھی خود بخود واجب ہو گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عہد ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ  
مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ  
عِزًّا (طہ: ۱۱۵)

اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے  
ایک عہد کیا لیکن وہ بھول گیا اور  
ہم نے اس میں ارادہ کی ٹھکنی نہیں پائی۔

چنانچہ یہ عطیہ اسی وقت تک باقی رہا جب تک وہ دونوں اپنے عہد پر باقی رہے۔  
اسی نوعیت کا معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ سَابِقًا  
يَا دُرُجِب ابراہیم کو اس کے رب نے

بِكَلِمَةٍ نَّاتَمَتٍ قَالَ الرَّسُولُ  
جَاءَكُمُ الْمَنَاسِبُ أَمَّا مَا  
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ  
لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

چند باتوں میں آنا یا، تو اس نے وہ  
پوری کریں۔ خدا نے کہا میں تم کو  
لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم  
نے پوچھا اور میری ذریت میں ہے؟  
خدا نے جواب دیا میرا یہ عہد  
ظالموں سے نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۲۴)

جب حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے فرمائے ہوئے حکموں کی تعمیل کر دی تو خدا نے ان سے  
ایک عہد باندھا اور فرمایا کہ جب تک ان کی ذریت اس عہد پر قائم رہے گی خدا کا عہد بھی قائم  
رہے گا۔ اور جو اس کو توڑ دیں گے، وہ اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

۵۔ پانچواں پہلو یہ ہے کہ یہ عہد توحید کا بیان ہے۔ قرآن نے اس عہد کو پوری تشریح  
کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے دلائل کی تفصیل کی ہے۔ ان دلائل کا عام عنوان یہ ہے کہ  
وہ پروردگار ہے، اسی نے اپنی نعمتوں سے ہم کو مالا مال کیا، اسی نے ہم کو خلقت و وجود سے آراستہ  
کیا اور بہترین ساخت پر پیدا کیا، اور ہمارے لئے رزق طیب کا خوان کرم بچھایا۔ اسی وجہ سے  
اسی کی عبادت اور اسی کی پرستش کرنی چاہیے۔ لیکن یہاں ایک مخصوص عظیم الشان نعمت کا  
ذکر ہے۔ اس وجہ سے توحید کا مطالبہ بھی اسی مخصوص پہلو سے کیا گیا ہے یعنی رجحان کلام گویا  
یہ ہے کہ جب خدا ہی نے ہم کو اس گھر کی خدمت و پاسبانی کی عزت بخشی ہے تو غار و قربانی  
بھی اسی کے لئے مخصوص ہونی چاہیے۔ اس میں ان مشرکین پر تعریف بھی ہے جو اس عہد کو فراموش

کر کے غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہ حقیقت ”آنا“ رہے شک ہم نے) اور لکھنا ﴿وَلَا تُشْرِكُوا﴾<sup>۱۰۰</sup> اپنے خداوند ہی کے لئے) کے الفاظ پر غور کرنے سے سامنے آتی ہے، یعنی ہم ہی نے تم کو بخشتا ہے اس وجہ سے تمہارا فرض ہے کہ مشرکین کے برخلاف صرف ہماری ہی نماز پڑھو اور ہمارے ہی لئے قربانی کرو سورہ حج میں یہ مضمون بار بار بیان ہوا ہے۔ یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے محمد بن کعب قرظی نے بھی آیت کی تفسیر یوں ہی کی ہے۔ دو فرماتے ہیں:-

”لوگ غیر اللہ کے لئے نمازیں پڑھتے تھے اور غیر اللہ کے لئے قربانیاں کرتے تھے جب ہم نے تم کو اسے محمد کو نبی بنا دیا تو تمہاری نماز اور قربانی صرف ہمارے ہی لئے ہونی چاہیے“

## ۱۔ نماز اور قربانی میں مناسبت

نماز اور قربانی میں بہت سے پہلو ہیں جن کی طرف قرآن نے اشارے کئے ہیں۔ لیکن یہاں ان سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب المفردات میں پوری تفصیل ملے گی۔ اس کے علاوہ ہم ان دونوں کے صرف ان پہلوؤں کا تذکرہ کریں گے، جن سے ان کی باہمی مناسبت واضح ہو۔

ہر چند قرآن نے ان کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے، لیکن جو شخص قرآن کی آیات اور ان کے کلمات کے باہمی نظم پر غور کرے گا وہ کسی طرح ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ غور کے لئے اصلی چیز قرآن کے جن نظم کا یقین ہے اور تمہیں ہے کہ جس قرآن میں یہ آیت بھی موجود ہے:-

اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ  
کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا  
اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالٌ لَّهَا۔  
ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں

(محمد: ۲۴)

اس پر غور و فکر کرنے سے کوئی شخص کیونکر بے پروا ہو سکتا ہے :

اس تمہید سے مقصود یہ ہے کہ یہاں صرف یہ بات کہہ دینے کاغز اور قلم پر لکھنا کافی نہیں ہے، ہم کو دعوت دی جاتی ہے کہ ہم ان دونوں کی باہمی مناسبت پر غور کریں۔ اسی اشارے نے ہمارے سامنے بے شمار حقائق حکمت کی راہ کھولی ہے۔ ہم اس فصل میں اس کو بیان کرتے ہیں تاکہ ایک طرف آیت کا حسن نظم واضح ہو، اور دوسری طرف ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ دیکھ سکیں کہ قرآن کی جو سورتیں اپنے الفاظ کے اعتبار سے ایک نظر کی حیثیت رکھتی ہیں وہ اپنے معانی کے اعتبار سے بھرپور ہیں۔ ذیل میں ان دونوں کی باہمی مناسبت کے تمام پہلوؤں کی تفصیل کی جاتی ہے۔

ار نماز اور قربانی میں اسی طرح کی مناسبت ہے جس طرح کی مناسبت ایمان

اور اسلام میں ہے۔

یہ اجمال ہے اس کی تفصیل سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہیے۔

دین کی بنیاد علم اور عمل کی صحت پر ہے۔ علم یہ ہے کہ ہم اپنے رب کو پہچانیں، اس کے ساتھ اپنے تئیں کو جانیں، اور پھر اس سہرت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اس علم سے لازماً محبت اور شکر کی ایک قلبی کیفیت و حالت پیدا ہوتی ہے۔ اسی قلبی کیفیت سے اعمال کا فیضان ہوتا ہے۔



اس طرح گویا ظلم و عمل میں وہی تعلق ہے جو اثر اور موثر اور ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے۔ یہ علم ایمان سے تعلق رکھتا ہے اور عمل اسلام سے :-

پھر ایک دوسری حقیقت پر غور کرو، عمل جس طرح ظلم کا مقابل ہے، اسی طرح قول کا بھی مقابل ہے یعنی قول، ظلم و عمل کے بیچ کی کڑی ہے۔ قول، ارادہ کا اولین ظہور اور عمل کا عنوان و دیباچہ ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں اب نماز اور قربانی کے باہمی تعلق پر غور کر رہے۔

نماز ظاہر ہے کہ قول و اقرار ہے۔ یہ اٹھنا، بیٹھنا، جھکنا، سجدہ کرنا، ہاتھ اٹھانا، انگیلی سے اشارہ کرنا کیا ہے؟ یہ سب اداؤں کی زبان سے ہمارا قول و اقرار ہے۔ یہ ایمان کے بعد راہ اطاعت میں ہمارا پہلا قدم ہے۔ یہ اعمال کے دروازہ کی کلید ہے۔ اسی سبب یہ تمام شریعت کے دروازہ کا عنوان قرار دی گئی ہے۔ بہ کثرت آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارات کئے گئے ہیں مثلاً :-

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ  
وَلْيَقِيمُوا الصَّلَاةَ (بقرہ: ۳)

جو غیب میں ایمان لاتے ہیں، اور

نماز قائم کرتے ہیں۔

تفسیر سورہ فاتحہ میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں اس حقیقت کی پوری تشریح ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفت توحید کے ساتھ پہچان لینے کے بعد فرمایا :-

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي

میں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنا رخ

فَطَرَا السَّمْعَاتِ وَالْأَبْصَارَ  
حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ  
اس ذات کی طرف کریا جس نے  
آسمانوں اور زمیں کو پیدا کیا اور  
میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔  
(العام: ۷۰)

اس آیت میں جس توجہ الی اللہ کا ذکر ہے نماز اسی توجہ الی اللہ کی عملی تصویر ہے۔ اسی وجہ سے ہماری نازوں کا عنوان ہی مبارک کلمہ قرار پایا۔ یہی حقیقت حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی معرفت بخشنے کے بعد فرمایا:-

فَلَمَّا آتَاهَا نُودِيَ يَوْمَ يُوسَىٰ  
إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ  
نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ  
الْمُقَدَّسِ طَوْفًا وَأَنَا  
اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ  
لِمَا يُوحَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي  
وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي  
بہا جب وہ اس کے پاس آیا،  
نذا آئی، اے موسیٰ! میں تمھارا  
رب ہوں، پس اپنے جوتے اتار دو  
تم وادی مقدس طوئی میں ہو۔ او  
میں نے تم کو برگزیدہ کیا، پس جو  
کچھ وحی کی جائے اس پر کان دعو۔  
میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی  
معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت  
کر دو اور میرے ذکر کے لئے نماز

۷۰

(طہ: ۱۱۳ تا ۱۲۴) قائم کرو۔

ایک دوسرے مقام پر اہل شرک کے بعد فرمایا:-

فَاعْبُدْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ  
حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي  
فَطَرَنَا مَا عَلَيْهَا أَمْبِدٌ  
يَخْلُقُ اللَّهُ ذَٰلِكَ الَّذِي  
الْقِيَمِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ  
لَا يَعْلَمُونَ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ  
وَاتَّقُوا وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ  
وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُسَاهِكِينَ

اپنا رخ کیسہ ہو کر دی الہی کی طرف  
سیدھا کر دی یہی اللہ کی فطرت ہے  
جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے  
فطرت الہی کی خلاف ورزی نہیں  
ہونی چاہیے۔ یہی فطرت کہ سیدھا  
وہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے  
اسی کی طرف متوجہ ہو کر، اور  
اسی سے ڈر و اور نماز قائم کر۔  
مشرکین میں سے نہ بنو۔

(دروم ۲۰-۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام مخلوقات الہی کی فطرت ہے چنانچہ فرمایا:-  
تَسْبِيحٌ لِّدُ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ  
وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ  
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ  
بِحَمْدِهِ (یعنی اسائیل ۲۲)

ساتوں آسمان اور زمین، اور  
جہاں میں ہیں، اس کی تسبیح پڑھتے  
ہیں۔ اور نہیں ہے کوئی شے مگر  
اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے۔  
و دوسری جگہ فرمایا ہے:-

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ  
مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

نہیں دیکھتے کہ جو آسمان اور زمین  
میں ہیں سب اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں

وَالطَّيْرُ صَفَتْ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ  
اور چڑیاں قطار و قطار ہر ایک  
صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (نور-۱۳۱) نے اپنی ناز اور تسبیح سیکھ رکھی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال میں سے ناز، ایمان سے سب سے زیادہ قریب،  
بلکہ ایمان کا اولین فیضان ہے۔ یہ بیک وقت توحید، اناست، شکر، توکل، اور قبل الی اللہ  
ساری چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کی فطرت ہے۔

اب قربانی کی حقیقت پر غور کرو! قربانی حقیقت اسلام کی تصویر ہے۔

اسلام کا مفہوم، اطاعت، سرفگندگی اور نفس کو بالکل یہودی کے حوالہ کر دینا  
ہے۔ ناز کی طرح یہ بھی بندوں کی فطرت ہے۔ کیونکہ تمام مخلوق امر الہی کی اطاعت سے  
وجود میں آئی ہے۔ خدا نے کلمہ ”کن“ کے ذریعہ سے حکم دیا اور تمام مخلوق ابتدائے خلقت میں  
اس کلمہ کی اطاعت سے وجود میں آئی۔ اب اگر وہ خدا کی نافرمانی کرتی ہے تو اپنی فطرت کی  
خلاف ورزی کرتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام تمام کائنات کو محیط ہے۔

وَلَهُ اسَلَّمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ  
آسمان اور زمین میں جو ہیں سب  
وَالْاَرْضِ مَنْ طُوْعًا وَكَرْهًا  
طوعاً و کرہاً اسی کے سامنے سرفگند  
وَاِلَيْهِ يُرْجَعُونَ  
ہیں اور سب اسی کے پاس لوٹائے  
رَآلْعَمْرَانِ (۸۳)

یعنی ہر خلقت میں جس طرح تم نے اس کے حکم کی تعمیل کی، اسی طرح آخرت میں اس کے  
حکم پر دوڑو گے۔ چنانچہ فرمایا ہے:-

اِذَا دَعَاكَ دَعْوَةً مِّنَ الْاٰثِمِيْنَ  
اِذَا اَنْتَ تَحْمِلُ مَوْجًا  
جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لئے  
ایک بار پکارے گا تم ذلت و نخل  
کھڑے ہو گے۔ (۲۵: ۴۰-۴۱)

دوسری جگہ فرمایا :-  
فَتَسْمِعُ مَوْجًا يَحْمِلُ دَرَجَاتٍ  
اِنْ لَّيْسَ لَكَ اِلَّا كَلِيلًا  
اور تم اس کی حمد کے ساتھ اس کی  
پکار پر دوڑو گے اور گمان کرو گے  
کہ نہیں تم ٹھہرے مگر بہت کم۔  
(دعایا اسرائیل - ۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور نبی و سیدہ اور نازدوں میں نفرت اور باہدگر  
نہایت قریبی رشتہ دار ہیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام، ان کی مسجد کو ہمارا قبلہ اعلان کے  
طریقہ کو ہمارے لئے دستور العمل بنایا تو ایک واقعہ بیان کر کے ہمارے لئے قربانی کی حقیقت بھی  
آسکارا کر دی جس سے ضامنہ نماز کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا :-

اِنِّیْ ذَا هَبْ اِلٰی سَابِیْ  
سَیْهَدِیْنِ  
میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا  
ہوں، وہ میری رہبری کرے گا۔

یعنی میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہ مجھ پر اپنی راہ

کھولے گا۔ ۴

سَبِّ هَبْ لِّیْ  
اے پروردگار! مجھے صالحین

مِنَ الصَّالِحِينَ      میں سے بخش  
 یعنی اولاد صالح، تاکہ میں ان کو لے کر تیری راہ پر چلوں اور لوگوں کے لئے حق پیدا  
 کی راہ کھلے

فَبَشِّرْنَا نَاكَ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ      پس ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے  
 کی ولادت کی بشارت دی۔

(یعنی حضرت اسمعیل کی۔ اسمعیل کے معنی ہیں اللہ نے بنا) چونکہ ان کی ولادت ابراہیم  
 کی دعا کے مطابق ہوئی تھی، اس وجہ سے ان کا نام اسمعیل رکھا گیا)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ      جب وہ اس عمر کو پہنچے کہ ان کے ساتھ  
 يَبْنِي اِلَيَّ اَسْرَىٰ فِي الْمَنَامِ      دوڑ پھر سکیں انہوں نے کہا بیٹے،  
 اِنِّى اُذْ بَحْتُ رَاىَ اِذَا بَحْتُ      میں نے خواب میں یوں دیکھا کہ تم کو  
 فَاَنْظُرْ مَا ذَا تَرَىٰ۔      ذبح کر رہا ہوں، (یعنی اللہ کے لئے)

اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟

یہ سوال اس لئے تھا کہ اس اطاعت میں فرمانبرداری بیٹے کو بھی برابر کا شریک کر لیا  
 جائے، کیونکہ حضرت ابراہیم ہمیشہ کے لئے تسلیم و اطاعت الہی کی ایک راہ کھول رہے تھے۔  
 اور چونکہ اطاعت شمارِ فرزند دعا ہائے سحر کی قبولیت کے منہج کے طور پر عطا ہوا تھا۔ اس  
 وجہ سے اس کا عقل اور حلیم ہونا معلوم تھا۔ یہ اندیشہ نہ تھا کہ اس کو اس امتحانِ ہندگی  
 میں شرکت سے انکار ہوگا۔

قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُمَرُّ  
سَيِّدُنِي اِنْشَاءً اَللّٰهُ  
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔۔۔

انہوں نے جواب دیا، واللہ ماجد!  
جو حکم ملتا ہے، اس کی تعمیل فرمائیے  
انشاء اللہ آپ مجھ کو ثابت قدموں  
میں پائیں گے۔

حضرت اسمٰئلؑ سمجھ گئے کہ ان کو حکم الہی کی تعمیل میں ذبح کیا جا رہا ہے، اس وجہ  
انہوں نے وہ جواب دیا جو مشکوٰۃ کے شایان شان تھا

فَلَمَّا اسْلَمَا وَتَلَّاهُ لِلْجَبِيْنِ  
پس جب دونوں امر الہی کے  
سانے جھک گئے اور ابراہیمؑ نے  
بیٹے کو ماتھے کے بل سچھاڑ دیا۔

یعنی اس طرح دونوں نے اپنے کمال اطاعت و اسلام کو آشکارا کر دیا کیونکہ  
باپ نے اس چیز کو قربان کرنے کا حکم کر لیا جو اس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، اور  
بیٹے کی توکل کا ثبات صرف اس کی جان ہی تھی

وَنَادَيْنَا اِيَّاهُ اَبْرٰهِيْمُ  
مَدَّ صَدَقَتَ الرَّؤُفِ يَا اَمَّا  
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ  
اِنَّ هٰذَا لَبَعُوْا الْبَلَاءِ  
الْمُبِيْنِ

اور ہم نے اس کو پکارا، اے ابراہیم!  
تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، بیشک  
ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ  
دیتے ہیں۔ بلاشبہ کھلی ہوئی  
جائیج ہی ہے۔

(اس اطاعت کا ملہ نے ان کو درجہ احسان کی سرفرازی بخشی، اور یہی کمال اسلام ہے۔ اس امتحان کے بعد ان دونوں کو خدا نے قوموں کا امام اور ہادیوں کا رہبر بنایا)

وَعَدَ نِسَاكَ بَيْنَ نَحْمِ عَظِيمٍ

اور ہم نے اس کو بڑی قربانی کے عوض

پھر دیا۔

صفت ۹۹-۱۰۰

یعنی اس قربانی کی یادگار میں قربانی کی ایک مالگیر اور عظیم اٹان سنت قائم کر دی، جو قربانی کرنے والوں کی مغفرت کا وسیلہ ہے۔

اس سرگزشت میں خدا نے ہمارے سامنے حقیقت کھولی ہے کہ اسلام کی روح خدا کی اطاعت اور اپنی طرف سے عزیز متاع حق کی جان کو بھی خدا کے حوالہ کر دینا ہے۔ اور یہ بات بغیر کامل ایمان و اخلاص کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس گویا ان دونوں کا رتبہ کمال مقام احسان ہے۔ احسان کی حقیقت یہ ہے کہ ”اعبد سربلک لائنک تملک“ اُدا اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور نمازیں وہی تعلق ہے جو تعلق ایمانی اسلام میں ہے یا قول اور عمل میں ہے، اور احسان ان دونوں کا نقطہ اتصال ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ نماز اور قربانی میں وہ نسبت ہے، جو نسبت زندگی اور موت میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نماز کی حقیقت یاد آ رہی ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

(طہ: ۱۴)

دوسری جگہ ہے:-



ذَكَرًا شَعَرَ سَبِّهِ نَعْلَىٰ  
اپنے رب کے نام کو یاد کیا ہاں ناز

پڑھی۔

(اعلیٰ: ۱۵)

قرآن مجید میں اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں۔ اور ذکر سے مقصود دوام ذکر الہی جو۔

چنانچہ فرمایا:-

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا  
وَتَقُودًا وَ عَلَىٰ حُبِّهِمْ  
جو اللہ یاد کرتے ہیں، کھڑے اور  
بیٹھے اور لیٹے۔

(آل عمران: ۱۹۱)

نیز فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ  
ذِكْرًا كَثِيرًا وَ سَبِّحُوا بِحَمْدِهِ  
قَدَامًا ۚ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي  
عَلَيْكُمْ وَ عَلَىٰ كُلِّ مَسْجِدٍ  
مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَىٰ النُّورِ  
وَ كَانَ بِأَلْوَمِنِينَ رَحِيمًا  
اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو،  
اور صبح و شام اس کی تسبیح پڑھو،  
وہ اور اس کے ملائکہ تم پر رحمت  
بھیجتے ہیں تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے  
روشنی کی طرف لے جائے اور وہ  
مومنین پر مہربان ہے۔

(احزاب: ۴۱ تا ۴۲)

یعنی جس طرح تم اس کی یاد کرتے ہو، اور اس کی تسبیح پڑھتے ہو، اسی طرح وہ اور اس کے  
ملائکہ تم پر رحمت بھیجتے ہیں جس سے تمہاری روشنی بڑھتی ہے چنانچہ فرمایا:-

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ (بقراءۃ: ۱۵۷) پس مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گی۔

نیز فرمایا:-

فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يَسْتَمِعُونَ  
لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ  
لَا يَسْمَعُونَ  
جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں، وہ  
رات دن اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور  
کسی وقت اس سے برداشتہ خاطر

نہیں ہوتے۔

روح السجدہ: ۸، ۳۸

یہی راز ہے کہ ہمارے رات دن کے تمام اوقات نمازوں سے گھر دیئے گئے ہیں۔ اور کسی حالت میں بھی اس سے معافی نہیں دی گئی ہے۔ نماز سانس کی طرح زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ حقیقی زندگی جو نور سکینت اور ایمان کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے، صرف اللہ کی یاد ہی سے باقی رہ سکتی ہے۔ نور کو دو معطلاتی بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بندوں کو عقل و تیز کی صلاحیت بخشنے کے بعد، خدا کی نظر کرم ان کی طرف اس وقت تک منت نہیں ہونی چاہیے جب تک وہ اپنی توبہ و زنا بت سے اس کو دعوت نہ دیں۔ اس کا دستور یہ ہے کہ جب بندہ شکر کرتا ہے اور پائی ہوئی نعمتوں کو کام میں لاتا ہے تو وہ نعمت کو زیادہ کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:-

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ  
هُدًى (محمد - ۱۷)  
جو طلب ہدایت میں سرگرم رہتے  
ہیں۔ ان کے نور ہدایت کو بڑھاتا ہے

توجہ الی اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نام کی یاد کی جائے۔ خدا سے قرب حاصل کرنے کی راہ یہی ہے۔ اللہ سے قرب کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے اور

اس سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد سے غفلت ہو جائے (اعاذنا اللہ منہا)  
جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس سے قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:-

وَأَقْرَبُ دَائِرَتَيْ (علقہ - ۱۹) سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

اس وقت اللہ کی نظر رحمت اس کو نوازتی ہے۔ اس کا سینہ انوار و تجلیات الہی  
سے جگمگا اٹھتا ہے، اور اس کی روح ذکر و فکر کی گہرائیوں میں جس قدر مارتی جاتی ہے، زندہ  
اور قوت کے لازوال خزانوں سے اسی قدر قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی  
ایک روایت میں اسی حقیقت کی خبر دی گئی ہے۔

مَا يَخَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَى	بندہ نوافل کی راہ سے برابر میری
بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَحْبَبْتَهُ فَأَذَا	طرف بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ
أَحْبَبْتَهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي	میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور
بَلَّ لِيَسْمَعَ وَلِبْصَا لَا الَّذِي	جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اگلے کا
بَلَّ لِيَبْصَا وَسَيَا لَا التَّي	بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اکی آنکھ
بِهَاطِطٍ شَ -	بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور
	اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے

رو بہر کرتا ہے۔

یہ اسی روحانی زندگی کا بیان ہے، جو حقیقی اور واقعی زندگی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ناز حقیقی زندگی کا سرچشمہ اور اس حیاتِ سفلی سے نہایت حاصل

کرنے کا زنیہ ہے۔

اب قربانی کی حقیقت پر غور کرو! اس کا اصلی مفہوم جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کی سرگزشت سے ظاہر ہے نفس کو اللہ کے حوالہ کرتا ہے۔ یہ تسلیم و اطاعت کے ایک عظیم نشان و ائمہ کی یادگار ہے۔ اور اس میں اس زبردست امتحان کی سرگزشت پنہاں ہے جس میں خدا نے ابراہیمؑ خلیل کو ڈالا تھا۔ اہل ایمان راہ الہی میں اپنی جانیں قربان کر کے اسی اطاعت و عبادت کی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ پس جس طرح ناز اللہ کے ساتھ ہماری زندگی ہے اسی طرح قربانی اس کی راہ میں ہماری موت ہے اور یہی حقیقی دین اور حقیقی اسلام ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

قَدْ أَفْلَحَ مَنَ دَانَ سَابِغِي رَالِي	کہد و میرے رب نے مجھ کو مرام مستقیم
صَارَ إِسْمَاعِيلُ مِمَّنْ دِينًا وَنَا	کی ہدایت بخشی۔ سیدھے دین، دین
مَلَكًا اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا	ابراہیم کی، جو صرف اللہ کا پرستار
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ اِنَّا	تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا کہہ دو
صَلَاةً نَسِيكَ دُعَائِي وَنَا	میری نماز، میری قربانی، میری
سَابِغِي الْعَالَمِينَ -	زندگی، اور میری موت اللہ رب

العلمین کے لئے ہے۔

(الغافر - ۱۷۱ و ۱۷۲)

باتفاق تمام مفسرین اس آیت میں "نسک" سے مراد، حج اور عمرہ میں، قربانی کرنا ہے۔ لغت عرب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں "صلوات" اور "نسک" کو ایک ساتھ

رکھا ہے اور اس کے بعد علی الترتیب ”میا اور سات“ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ نظم کلام، توافقیہ کے اصول پر ان دونوں کی حقیقت اور ان کے باہمی تعلق کو بے نقاب کر رہا ہے۔ یعنی نماز مسلم کی زندگی ہے اور اس کی قربانی راہ الہی میں اس کی موت ہے۔ پھر غور کر دو یہ دونوں بالکل ایک ہیں، کیونکہ یہ موت حقیقی زندگی کا دروازہ ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ طَبَلُ أَحْيَاءُ  
وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ رَبِّهَا ۝۱۵۴  
جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں  
اوی کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں،  
لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔

۳۔ نہر اور قربانی ”حقیقی قربانی“ کے دو باروں میں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو صاحب عقل و ارادہ اور خیر و شر میں تمیز کرنے والا بنایا، تو ایک طرف تو اس کو عظمت و درنت کا وہ مقام ملندہ بخش دیا جس سے برتر اور بلند کوئی اور مقام نہ تھا، دوسری طرف اس کو ذلت و پستی کے اس کنارہ پر کھڑا کر دیا، جس سے بڑھ کر کوئی ذلت و پستی نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین - ۶ تا ۷)

نیک ہم نے آدمی کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی۔ پھر ہم نے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں ڈال دیا، مگر جو کہ ایمان لائے اور عملایاں کیں، سو انہیں ہمیشہ کے لئے انعام ملے گا۔

نیز فرمایا :-

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا  
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ  
مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ  
مَنْ دَسَّاهَا  
اور نشا ہے نفس اور اس کی تشکیل  
چنانچہ اس کو اس کی بدی اور نیکی  
الہام کی۔ جس نے اس کو سنوارا  
اس نے فلاح پائی جس نے اس کو کھرا  
رسمس، تا ۱۰)

اس کی دہریہ ہے کہ بندہ جب اس منہم تحقیق سے بے پردہ ہو جاتا ہے تو جمال الہی کی  
روشنی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور وہ باطل کے دامن قریب میں پھنس کر اپنے  
آپ کو خواہشات نفس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اور سب خواہشات نفس اس کا معبود بن جاتی  
ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے :-

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ  
هُوَ أَكْوَاحُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ  
رَجَابِيهِ - ۲۳

دیکھو تو یہی کیا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود  
بنالیا ہے اور خدا نے اس کو علم دینے  
کے باوجود گمراہ کر دیا ہے

یعنی اس نے عقل اور آنکھ کان سب کچھ پا کر گمراہی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ جیسا کہ

سورہ دہر میں ہے :-

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ  
نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ  
انسان کو ہم نے طے پانی سے پیدا  
کیا آزمائش کے لئے

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۖ  
هَذَا يَنَاوُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا  
وَأَمَّا الْكَافِرُ ۖ  
تو اے سنا دیکھنا بنا لیا ہم نے  
اے راہ تبادی۔ کوئی قدر کرتا  
ہے اور کوئی نہیں

(۳۵: ۲۰)

یعنی اگر وہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو کام میں نہ لائے گا تو ناشکری کی راہ اختیار کرے گا۔

وَحَنَوْنَا سَمِيعَهُ وَقَلْبَهُ جَعَلْنَا  
عَلَىٰ بَصَرِهِ عَنَّا وَفَصَحَّ  
يَعْبُدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۖ  
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ  
اور اس کے کان، اور دل پر ہر  
کردی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ  
ڈال دیا ہے۔ پس اللہ کے بعد اس کو  
کون ہدایت کی راہ دکھائے گا تم لوگ

سوچتے نہیں؟

(رجاء: ۲۳)

یعنی جب اس نے خدا سے منہ پھیر لیا، اور اپنے نفس کا غلام بن گیا تو خدا نے اس کو اسکی خواہشوں کے حوالہ کر دیا، جو اس کے قلب کے لئے حجاب بن گئی ہیں۔

كَلَّا بَلْ سَأَنَّا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا  
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ كَلَّا أَتَاهُمْ  
رُسُلُهُمْ يُزَكِّيهِمْ لَمْ يَكْفُرُوا ۚ  
ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے  
اعمال کی سیاہی جم گئی ہے، ہرگز  
نہیں! وہ اس دن اپنے پروردگار  
کے دیدار جمال سے محروم ہوں گے۔

(مطفئین ۱۵)

یعنی جس طرح وہ اس حیات دنیوی میں خدا کے نور ایمان سے محروم تھے، اسی طرح حیات اخروی میں اس کے دیدارِ جہاں سے محروم ہوں گے۔ آدمی جو کہ چاہتا ہے خدا کی طرف سے وہی اس کو ملتا ہے جنہوں نے نفس اور شہواتِ نفس کی غلامی پسند کی، وہ نفس کے غلام بن گئے، اور قیامت کے دن اپنے نفس کی حقیقت سے دوچار ہوں گے جس کا بیان یوں کیا گیا ہے کہ۔

ثُمَّ أَفْهَمُوا لَصَالُوا لِنَجْنَمِمْ  
پھر وہ جنہیں داخل ہوں گے۔

(مطففین: ۱۶)

اس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے ضروری ہوا کہ وہ نفس کے صنمِ اکبر کو توڑے۔ اور نفس کی حقیقت پر جن لوگوں نے غور کیا ہے، ان کو معلوم ہے کہ نفس کے دو بازو ہیں سمیت اور بہیت۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ انسان کو ان دونوں بازوؤں کے توڑنے کی تدبیر تباہی جائے راب ان دونوں کی تفصیلات پر غور کر د۔

۱۔ اول یعنی سمیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ کے حضور خشیت و تذلل کے ساتھ نماز کی پابندی کی جائے نفس کے کبر و نخوت کا سرمہ نماز ہی سے کھلا جاسکتا ہے کیونکہ خشوع نماز کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے چنانچہ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:-

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ  
تَبَيَّنَ اِيْ اِيْمَانِ وَالْوَنَ اِيْمَانِ  
مُؤْمِنِي صَلَوَاتِهِمْ خَاسِعُونَ  
جو انہی نمازوں میں خدا کے سامنے  
سر ٹکندہ ہیں۔

(مؤمنون: ۱-۲)

نیز فرمایا:-



وَإِذْ كُنْتُمْ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّكُمْ  
 تَضَعُوا أَنْفُسَكُمْ فَرَغًا  
 مِنْ أَلْفَاظِكُمْ بِأَلْفَاظِكُمْ  
 وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ إِنَّ الَّذِي  
 عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُ عَنْ  
 عِبَادَتِهِ وَيَسْتَحْوِذُهُ وَلَهُ  
 يَجُذُّونَ (اعرافہ ۲۷۰)

اپنے رب کو دل میں یاد کرو، گرا گرا کر  
 ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور پست  
 آوازیں مع اور شام، اور بے خبری  
 میں سے مت بنو۔ جو لوگ تمہارے پاس  
 پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے ابا  
 نہیں کرتے۔ اور اس کی تسبیح کرتے  
 ہیں۔ اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرے مقام پہ ہے۔  
 وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ  
 عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا  
 خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا  
 سَلَامًا وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ  
 لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا  
 (فوقان - ۶۳ و ۶۴)

اور قدامتے رحمان کے بندے وہ ہیں،  
 جو زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے  
 ہیں، اور جب جاہل لوگ ان سے  
 الجھنے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام! اور  
 جو اپنی راتیں خدا کے حضور سجدہ  
 و قیام میں بسر کرتے ہیں

اس آیت پر غور کرو۔ اس میں نماز سے پہلے ان کی خاکساری کا ذکر کیا ہے کیونکہ  
 نماز کی حقیقت نفس کو سخت سے پاک کرنا ہے جو لوگ برابر ذکر الہی میں مشغول رہتے ہیں اور  
 خدا کے جلال و جبروت اور اس کی نعمت و رحمت کی یاد تازہ رکھتے ہیں، ان کے چہروں سے

خوف اور محبت کا جمال ٹپکتا رہتا ہے۔ اسی قسم کا نظم اس آیت میں ہے۔  
 مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَاللَّيْنُ مَعَدَّةً آسِنًا عَلَى الْكُفَّارِ  
 محمد اللہ کا رسول، اور جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں نرم دل ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع  
 سُرُّكُمْ مُحَمَّدًا رَفِيعًا (۲۹) اور سجدہ میں۔

یہاں رہبانیت کی تردید کی غرض سے پہلے "شدت" کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جو خدا سے محبت کرتا ہے اس کا دل اس مقام کی بے پایاں عظمتوں کے احساس سے اس قدر لرزہ زید ہو جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کی عظمت اور بڑائی کے خیال کی سمائی سرے سے رہ ہی نہیں جاتی اس وجہ سے وہ تمام مبالغہوں سے نڈر ہو کر علی الاعلان اس کی شہادت دیتا ہے۔ پس اس جگہ شدت کا ذکر محض ایک وہم کے دور کرنے کے لئے ہے، کیونکہ تذکرہ ایک ایسی امت کا ہو رہا تھا جو اعتدال کے نقطہ کمال پر ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی وہ مخصوص صفات بیان ہوئی ہیں، جو توراۃ و انجیل میں مذکور ہیں چنانچہ سب سے پہلے وہ صفت بیان کی گئی ہے جو ان کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی امتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ غمنا اس میں کمال مدد و اعتدال اور جمع بین الضدین کی اس فضیلت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا، جو امت مرحومہ کی خاص خصوصیات میں سے ہے، اور جس کے بعد فضیلت کا کوئی اور درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔ پس اس جگہ شدت کے ذکر سے محض اس صفت تو واضح و رحمت کی تعریف مقصود ہے جس کا سرچشمہ خشیت الہی ہے، کیونکہ خدا کی خشیت تمام خوفوں سے بے نیاز کر کے آدمی کو حق کے

مغاینین کے لئے باطل بے پیک بنا دیتی ہے۔

پس ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے

فَلَا تَخَافُوهُمَّ وَخَافُونِ

ڈرو

(آل عمران: ۱۷۵)

پس ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

ڈرو

(مائدہ: ۴-۳)

اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں۔

۲۔ دوسرے بار دینی ہیبت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ نفس اس دنیا کی جن مرغوبات

میں لذت پاتا ہے ان سے اس کو غلطہ دیا جائے۔ اس کے تین درجے ہیں:-

پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان قربان کی جائے۔ اس کا بلند ترین مقام نخت جگر کی قربانی ہے۔ اس درجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے حضرت اسمعیلؑ کی قربانی کے حکم سے جانچایا گیا، جو ان کی محبوب ترین اولاد تھے۔ ان کے محبوب ترین اولاد ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب فرشتہ نے حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تو انہوں نے کہا اسمعیلؑ زندہ رہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو حضرت اسمعیلؑ کے ساتھ کس قدر اولیاءانہ محبت تھی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اطاعت الہی کی راہ میں مصائب و آلام جھیلے جائیں، اور لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ زندگی کے بعد نفس کو سب سے زیادہ محبوب لذات ہی ہیں۔ روزہ اس منزل میں بہترین رہبر ہے۔ مقام قربانی کے مدارج میں سے ضعف

کی پہنچ اسی درجہ تک ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سب سے بلند درجہ کے حصول کی راہ کیا ہے تو انھوں نے فرمایا یہ روزہ اور نماز سے حاصل ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مال کو جو تمام لذات کے حصول کا ذریعہ ہے، خدا کے رستہ میں خرچ کیا جائے۔ اس منزل میں رہبر زکوٰۃ ہے۔ متینہ زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیز غرور کا سبب ہوتی ہے آدمی اس کو خدا کی راہ میں نہ دیتا ہے۔ پھر چونکہ مقصود ذبح بہیت سے نفس کو ان چیزوں کی غلامی سے چھڑانا ہے جن کی لذتیں اس پر گھرے ڈال رہی ہیں اس وجہ سے ضروری ہوا کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ کی جائے جو نفس کو محبوب ہو۔ چنانچہ اسی سبب سے فرمایا ہے:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا  
مِمَّا تُحِبُّونَ  
تم اس وقت تک وفا داری کا درجہ  
نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں  
میں سے نہ خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔  
(آل عمران: ۹۲)

یہ جو قربانی کے جانوروں کو قربان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں بھی یہی حکمت ہے اور حضرت ابراہیمؑ کو محبوب ترین اولاد کے ذبح کا حکم دے کر تو یہ حقیقت بالکل ہی آشکارا کر دی گئی ہے۔ نیز چونکہ قربانی کا حقیقی مرتبہ کمال جان کی قربانی تھا، اس وجہ سے خون بہانا، اسکی اصل ملامت قرار پایا۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز اور قربانی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ذبح نفس کے دو پہلو ہیں، ایک حدیث میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔  
قربان هذا لا لامۃ  
اس امت کی قربانی، بذل نفس اور

بدل مائھا وصلو تھا نماز کے ذریعے ہے۔

م۔ نماز اور قربانی دونوں ایک دوسرے پر مشتمل ہیں۔ یعنی نماز ایک پہلو سے قربانی ہے، اور قربانی ایک دوسرے پہلو سے نماز ہے۔ نماز کا قربانی ہونا واضح ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ نماز سمیت کے ذبح کی ایک تدبیر ہے۔ نیز نفس کو مصائب کی برداشت اور لذتوں کے ترک کا خوگر بناتی ہے، جو سمیت کا ذبح ہے۔ اس وجہ سے اس کی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ قربانی کا نماز ہونا محتاج تفصیل ہے اور یہاں ہم اس پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ قربانی کی حقیقت، راہ الہی میں جان کی قربانی ہے، اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دوسری صورت میں بعینہ نماز ہے۔ نمازیں زبان اور اداؤں کے ذریعے ایمان کا اقرار کیا جاتا ہے اور قربانی میں اسی ایمان کی تصدیق جان دے کر کی جاتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے خدا کی راہ میں جان دینے کا نام شہادت ہوا۔ نیز قربانی میں کمال درجہ خضوع اور اطاعت ہے۔ اس وجہ سے یہ نماز کی اصلی روح۔ اقرار و تعہد اور خضوع۔ کی یہ سب سے زیادہ حامل ہے۔ علاوہ انہی اس کے تمام آداب بھی اس کے نماز ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ مثلاً

الف۔ قربانی خانہ کعبہ کے پاس ہوتی ہے، جو مرکز نماز ہے۔

ب۔ اس کا آغاز بسم اللہ واللہ اکبر سے ہوتا ہے۔

ج۔ قربانی اور قربانی کرنے والے دونوں کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔

د۔ اونٹوں کو کھڑے کر کے قربان کیا جاتا ہے، جس میں قیام نماز کی جھلک

( پہنچ جاتی ہے۔ )

۸۔ مینڈھوں کوٹ کر قربان کیا جاتا ہے جس کو سجدہ نماز سے مشابہت ہے۔  
پھر آغا ز نماز کی دعا، جو قرآن میں وارد ہے، یہ ہے اور یہی دعا قربانی کے وقت بھی پڑھی جاتی ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلْذِّکْرِ  
قَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ  
خَیْفًا مَّا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ  
(العام: ۷۹)

میں نے ہر طرف سے کٹ کر پناہ  
اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں  
اور زمین کو پیدا کیا، اور میں مشرکوں  
میں سے نہیں ہوں۔

ترجمہ:-  
اِنَّا صَلَّوْاۤیْ ذُنُکَیْ وَحَیَّیْ  
وَمَعَاۤیِیْ لِلّٰہِ سِرَّ الْعَلَمِیْنَ  
لَا شَیْءَ لَکَ  
(العام: ۱۶۳ و ۱۶۴)

بے شک میری نماز، میری قربانی،  
میری زندگی، میری موت، اللہ  
رب العالمین کے لئے ہے، اس کا  
کوئی سامع نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ

کے واقعہ کے سلسلہ میں فرمایا:-  
مَلَمَّا اسْلَمَا وَاَتَتْهُ لِیُحْیِیْنَ  
(صفت: ۱۰۳)

جب ان دونوں نے امر الہی کے سامنے  
اپنا سر جھکا دیا اور ابراہیمؑ نے

اسمیل کو پشیمانی کے بل بچھاڑ دیا۔  
یعنی ان کے ظاہر و باطن دونوں خدا کی طرف متوجہ ہو گئے، اور ابراہیم نے اسمیلؑ  
کو سجدہ میں ڈال دیا۔

اسی طرح قربانی کے ذکر میں فرمایا:-

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّنْ  
شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرٌ  
فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا  
صَوَاتٍ

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے  
تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے  
قرآن دیا۔ ان میں تمہارے لئے  
نوائے ہیں۔ پس ان پر اس حال میں کہ

وہ صف نصف ہوں، اللہ کا نام  
(رج: ۳۶)

یعنی جس طرح تم نازوں میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہو، اسی طرح وہ بھی ذبح  
کے وقت قطار میں کھڑے کئے جائیں۔

اسی طرح زکوٰۃ کے بیان میں، جو قربانی ہی کے ذیل کی عبارت ہے۔ فرمایا ہے:-

وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ  
سَاكِنُونَ (مائدہ: ۵۵)

اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں، اور آسائیکہ  
بچکے ہوئے ہوتے ہیں۔

یعنی زکوٰۃ دیتے وقت ان کی پہنت سے خشوع کا اظہار ہوتا ہے، وہ متکبر اور  
طالب شہرت افینار کی طرح تن کر زکوٰۃ نہیں دیتے۔

۵۔ ناز اور قربانی دونوں ذکر الہی ہیں۔ ناز کا ذکر ہونا تو متعدد آیات سے واضح

میں نے شہداء۔

وَذَكِّرَ الصَّلَاةَ الَّتِي كُتِبَتْ  
اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو

رطلہ: (۱۴)

وَذَكِّرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلِّ  
اور اس نے اپنے رب کے نام کو

یاد کیا، پس نماز پڑھی۔ (اعلیٰ: ۱۵۰)

رہا قرآنی کا ذکر ہونا تو یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ فرمایا:۔

لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى  
تاکہ اللہ کے نام کو یاد کریں، ان  
مَا سَأَلَ بِهِمْ مِنْ بُهْمٍ عَمَلٍ  
جو پاپوں پر جو اس نے ان کو نیچے

الْأَعْيُنِ۔ (رج: ۳۲)

كَذَلِكَ لَنَسْفَعُهَا لَكُمْ  
اسی طرح ان کو تمہارے لئے مسخر  
لِنُكَبِّرَهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا هَذَا كَوْنٌ  
کیا تاکہ تم اس پر ایت پر جو

(رج: ۳۰)

رأى هذا كماله الى دين التوحيد  
بڑا اکی کر رہے ہیں تو حیدر

والاسلام (اسلام کے دئے جانے پر)

اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح تکبیر کے ذریعہ ہم نماز میں اللہ کی بڑائی بیان کرتے  
ہیں بعینہ اسی طرح قرآنی کے وقت بھی کہتے ہیں۔

۶۔ یہ دونوں نماز اور قرآنی شکر ہیں۔ نماز کا شکر ہونا تو بالکل ظاہر ہے،



یہاں تک کہ بعض جگہ نماز کو تعبیری شکر کے لفظ سے کر دیا گیا ہے :-

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ  
وَأَشْكُرْ لِي وَلِأَسْكُرْ لَكُمْ

(بقدرہ: ۱۵۲: ۵) ناشکری امت کرنا۔

سورہ فاتحہ نماز کی جان ہے، اور معلوم ہے کہ اس سورہ کی بنیاد شکر ہی پر ہے۔

اب قربانی پر غور کرو۔ یہ بات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

دنیا اور دنیا والوں سے بالکل مستغنی ہے :-

وَهُوَ يُطْعِمُهُ وَلَا يَطْعَمُهُ

وہ کھلاتا ہے لیکن کھاتا نہیں۔

(الانعام: ۱۳)

اس نے جو نعمتیں ہم کو بخشی ہیں، ان میں سے کچھ ہم اس کی راہ میں محض اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے لئے قربان کرتے ہیں، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت اور اسی کا انعام ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے قربانی کے وقت ہم یہ الفاظ کہتے ہیں :-

مُنَّكَ وَاللَّهِ تیری ہی بخشی ہوئی نعمت اور تیری ہی راہ میں۔ اسی وجہ

سے فرمایا ہے :-

لَكَ اَللّٰهُ سَخَّرَ مَنَّا هَٰذَا لَكُمْ

اسی طرح ہم نے اے کو مسخر کیا،

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ درج: ۱۵۳

تا کہ تم شکر کرو۔

اور جس طرح نماز اللہ کی تمام ظاہری و باطنی نعمتوں پر ایک نام شکر ہے اسی طرح

ہم) انی بھی مضائقہ دینا وی کا شکر نہیں ہے بلکہ عرونی شک کہ وہی پہلو اس میں بھی ملحوظ ہے  
 جو نماز میں ملحوظ ہے چنانچہ فرمایا ہے:-

يَكْتَبُ رُؤَا اللّٰهَ عَلَى مَا هَذَا الْكُ  
 اکر تم کو جوہر ایت بخشی ہے اس پر

اللہ کی بڑائی کر۔

(رج: ۲۷۰)

۷۔ یہ دونوں تقویٰ کی ذریعہ ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جس سے آدمی کی امیدیں وابستہ ہوتی  
 ہیں، یا جس سے وہ ڈرتا ہے، اس کو برابر یاد رکھنا ہے۔ نماز اسی ذکر کے قائم رکھنے کے لئے ہے۔  
 چونکہ بندہ کو خدا کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اور وہ اس کے غضب سے ڈرتا ہے، اس وجہ سے  
 وہ اس کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ آیت ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:-

وَاَنْ اَتَقِيُوا الصَّلٰوةَ وَالتَّقْوٰ  
 اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس سے

وَهُوَ الَّذِي اِلَيْهِ تُحْشَرُونَ  
 ڈرو، اور وہی ہے جس کے پاس

تم جمع کئے جاؤ گے۔

(انعام: ۱۷۷)

اب قربانی کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں پر انسان کو جو غلبہ اور تسلط دیا ہے،  
 اس میں ایک قسم کی آفاقی اور نبدگی کی نمونہ ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اظہارِ شریع  
 اور اقرارِ نبدگی کے ذریعہ سے اس خود کو مٹا دیا جائے، اور قربانی کے وقت بندہ کی زبان  
 پر شکرِ نعمت اور اقرارِ عہدیت کے ایسے الفاظ جاری کئے جائیں جس سے خدا کی ملکیت اور  
 پروردگاری اور اس کی وحدت و یکسانی کا اظہار ہو۔

غرض کہ ان تمام باتوں میں تقویٰ کی کس قدر جلوہ گری ہے چنانچہ تقویٰ ہی جو کہ

ان تمام حقائق کا جامع تھا اس وجہ سے وہی قربانی کی حقیقت قرار پایا۔ بندہ تقویٰ الہیؐ  
 راہ سے قرب الہی کے مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے کوئی قربانی اس وقت تک قبول نہیں  
 ہوتی، جب تک اس میں تقویٰ نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا :-

إِنَّمَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ  
 اللہ صرف متقین کی قربانی قبول کرتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ہے :-

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ  
 التقویٰ (بقولہ : ۱۹۷)

اور تقویٰ کا زاد راہ، اور یہ کیونکہ بہترین  
 زاد راہ تقویٰ ہی ہے۔

تقویٰ کو زاد راہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ یہی چیز قرب الہی کی منزلوں تک  
 پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ یہ تقرب دراصل تقرب کے لئے ہے، جیسا کہ گیارہویں سبب میں ہم  
 لکھیں گے اس وجہ سے اس میں تقویٰ کا زاد راہ ناگزیر ہوا۔

۸۔ یہ دونوں منازل آخرت میں سے ہیں۔ کیونکہ نماز و جوع الی اللہ اور حشر میں  
 پروردگار کے حضور ہمارے کھڑے ہونے کی تصویر ہے۔ اسی وجہ سے اس میں معاد کی ایک  
 جھلک پائی جاتی ہے، گویا بندہ جس وقت نماز میں کھڑا ہوتا ہے اس وقت وہ خدا کے سامنے  
 اپنی حاضری کے دن کو یاد کر رہا ہوتا ہے۔ یہ اشارہ مندرجہ ذیل آیت سے نکلتا ہے :-

إِنَّمَا تُكْبِرُ تَبَّ (أَلَا عَلَى الْخَشَعِينَ)  
 ان خون رکھنے والوں کو

جسک وہ (نماز) گراں ہے، مگر

ان خون رکھنے والوں کو

(۴۴) مَلْعُونٌ سَرَّاهُمْ وَأَلْفَهُ  
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

گناہ ہے کہ ان کو اپنے رب سے ملنا  
ہے اور ایک دن وہ اسی کی طرف

دبقرہ :- ۴۵-۴۶) لوٹنے والے ہیں۔

جن لوگوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن خدا کی طرف لوٹنے اور اپنے تمام  
اعمال و اقوال کی جواب دہی کرنی ہے، وہ تمام غفلتوں اور گناہوں سے تائب ہو کر لازماً  
اللہ کی طرف جمعک جاتے ہیں، اور جو خشیت و پستی خدا کے سامنے آخرت میں ان پر طاری  
ہونے والی ہے اس کا مکس دینا ہی میں ان پر نظر آنے لگتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات  
پر غور کرو :-

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِعَةٌ  
أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ

دل اس دن مضطرب ہوں گے  
اور نگاہیں پست ہوں گی۔

رنا نغمات : ۸-۹)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ  
هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ

ان ایمان والوں نے فلاح پائی  
جو اپنی نمازوں میں سمرنگندہ ہیں۔

(مومنین : ۱-۲)

بِإِجَالٍ لَا تُلَاقِيهِمْ فِي تَجَارِعِهِ  
وَلَا يَبِيعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ  
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ

ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور  
خرید و فروخت اللہ کی یاد سے  
اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ

(۱) دینے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اس  
 دین سے ڈرتے ہیں، جس دن دل  
 اور انکس الٹ جائیں گے۔

يُنْجَاؤُنَ يَوْمًا تَقْلَبُ بِتِلْكَ  
 الْعُلُوبِ وَالْأَبْصَارِ

(نوم: ۳۷)

۲ آیت بھی اسی کے مشابہ ہے:-

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَآفٍ  
 رَّاۗءِ اٰسْتَفْهٰۤى اِنَّ اِلٰهَ  
 رَبِّكَ الَّذِیْۤیْ اَرٰۤیْتَ  
 الَّذِیْ یَنْهٰی عِبْدًا اِذَا  
 صَلَّى

(علق ۷ تا ۱۰)

بیک انسان سرکشی کرتا ہے، اس  
 درجے کو کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے  
 بیک تیرے رب کی طرف بھرمانا  
 ہے، یعنی جس کو خدا کے سامنے حاضر  
 ہونا ہے وہ کیسے پروردگار ہو رہا ہے،  
 تم نے اس کو دیکھا! جو ایک بندہ  
 کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے

قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ خدا احقر کے دن، جب ہم کو پکارے گا تو ہم اسکی  
 حمد پڑھتے ہوئے قبروں سے نکل کر اس کی طرف بھاگیں گے۔

جس دن وہ تم کو پکارے گا تو تم  
 اس کی حمد پڑھتے ہوئے اس کی طرف  
 دوڑو گے۔ اور خیال کرو گے کہ تم

یَوْمَ یَدْعُوکُمْ فَمَنْ سَبَّحْتُمْ  
 بِحَمْدِہٖ وَرَضِیْتُمْ اِنْ لِّیْسَ لَہٗ  
 اِلَّا قَلِیْلٌ

جہت کم ٹھہرے۔

(اسہد: ۵۲)

(اسی طرح نمازی نماز کی بکاز کی طرف لپکتے ہیں اور صف بستہ ہو کر خدا کی حمد کرتے ہیں  
 بعینہ ہی حقیقت قربانی میں بھی جلوہ گر ہے۔ وہ بھی نماز کی طرح رجوع الی اللہ  
 ہے، جیسا کہ دوسرے اور تیسرے سبب کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔ یہاں اس پر ہم  
 ایک دوسرے پہلو سے نظر ڈالیں گے۔

جس طرح چوپایوں کو خدا نے ہمارے لئے مسخر کیا ہے، اسی طرح ہمارے جسموں  
 کو بھی ہمارے لئے مسخر کیا ہے۔ تاکہ ایک متین مدت تک کے لئے ہم ان کو اپنا مرکب بنائیں  
 اور ان سے اپنے کاموں میں مدد لیں۔ پھر ان کو خدا کے حوالہ کر دیں۔ چوپایوں کے بارہ  
 میں فرمایا ہے:-

لَكُمْ مِنْهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ يَحْمِلُهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ  
 الْعَتِيقِ - (حج - ۳۴)

تمہارے لئے ایک متین مدت تک  
 کے لئے ان میں منفعتیں ہیں، پھر ان کو  
 خدا کے قدیم گھر کی طرف لے جانا ہے۔

جس طرح قربانی کے جانوروں کو ہم بہت اللہ کی طرف لے جاتے ہیں، اسی طرح اپنے  
 اجسام کو بھی لے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:-

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ  
 رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَلْعٍ يَأْتِينَ  
 مِنْ مِّكِلٍ - (حج - ۲۷)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو  
 کہ آویں تمہارے پاس پیادہ پا  
 اور لاغر اونٹوں پر جو آئیں گے  
 گہرے راستوں سے۔

دیکھو! ہمارے جسموں اور ہمارے چوپایوں کے لئے سمت سفر ایک ہی متعین ہوئی (۱) اور یہ اشتراک ہر چیز میں نمایاں ہے جس طرح قربانی کے جانوروں کا ہم احترام کرتے ہیں اور ان کے لئے ایک مخصوص شمار قرار دیتے ہیں، بعینہ وہی معاملہ ہم اپنے جسموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ ہم جانوروں کی طرح اپنے جسموں کو ذبح نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسمعیلؑ کی جان اس چیز کے عوض چھڑائی گئی، جو ان کی قائم مقام بن کر قربان ہوئی، اسی طرح ہم جانوروں کے ذریعہ کے عوض اپنی جانوں کو چھڑا لیتے ہیں۔ لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ خلیلؑ کا ہر ایک دوسری شکل میں قبول فرمایا کہ حضرت اسمعیلؑ کو اپنے گھر کی خدمت کے لئے مخصوص فرمایا، اسی طرح ہم بھی اپنی جانوں کو ذریعہ دیکر چھڑا تو لیتے ہیں لیکن وہ ہم کو دوسرے میں نہیں کر دی جاتی ہیں، بلکہ وہ ہماری امانت میں دیدی جاتی ہیں۔ اگر جب ضرورت پیش آئے ہم اللہ کی راہ میں ان کو قربان کر لیں۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے:-

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے	إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
ان کی جانیں اور ان کا مال جنت	أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَرٍ
کے بدلے خرید لیا ہے، وہ اللہ کی راہ	لَهُمْ أَجْرٌ أَجْزَلُ يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ
میں جہاد کرتے ہیں، پس قتل کرتے	اللَّهِ يَتَّقُونَ وَيُغِلُّونَ فِي
ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔ یہ ایک بچا	وَعَدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي النُّجُومِ
اور بچا عہد ہے اور تورات، انجیل،	وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ

وَمَنْ آذَنَّا بِعَهْدٍ مِّنَ اللَّهِ  
فَأَسْبَغْنَا ذَا بَيْنِكُمُ اللَّيْلُ  
بِالْعُقُوبَةِ ط وَذَا لَيْلٍ  
هُوَ الْغَوْرُ الْعَظِيمُ

قرآن سب میں مذکور ہے۔ اور اللہ  
سے عہد کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا  
کون ہے؟ پس تم خوش ہو جاؤ، اپنے  
اس معاملہ پر جو تم نے اللہ سے کیا؟  
(توبہ: ۱۱۱) یہی بڑی کامیابی ہے۔

پیر وی اسلام کا عہد کر لینے کے بعد تم خدا کے ہاتھ بک جانے میں، اور اسی عہد کی تجدید  
کے لئے ہم اس کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں، اور جو اسود کو ہاتھ لگا کر اس عہد کو از سر نو تازہ  
کرتے ہیں یہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے عہد کی ہماری طرف سے توثیق اور اللہ کی راہ میں  
قرآن ہونے کے لئے ہماری طرف سے اقرار ہوتا ہے۔

پھر حج کا اجتماع میدان حشر میں ہمارے کھڑے ہونے کی بھی تعویذ ہے۔ اس پہلو سے  
ناز، حج، اور قرآنی ان تینوں کو معاد سے نہایت قریبی نسبت ہوئی۔

۹۔ یہ دونوں ابواب صبر میں سے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے  
وعدہ پر پورا بھر دوسرے کے ناز کی پابندی کرتا ہے، اس کی مثال اس درخت لگانے والے کی  
ہے، جو شب و روز اپنے لگائے ہوئے پودے کی نگہداشت کرتا ہے، اس کی خدمت کرتا ہے  
اس کو پانی دیتا ہے، اور اس کے پھل لانے کا منتظر ہے اور دوسروں کی غفلت و سرمستی، اس کی  
اس سرگرمی و خود فراموشی میں کوئی کمزوری نہیں پیدا کرتی۔ لوگ اس کی امید موبہوم پر  
منہتے ہیں لیکن وہ خدا کی شکر گزاری اور اطاعت کے جس جادہ مستقیم پر چل رہا ہے برابر



اس پر گرم سفر ہے اور لوگوں کو پہننے اور مذاق اڑانے سے اس کی ہمت بست نہیں ہوتی۔  
 ظاہر ہے کہ یہ باتیں اس وقت تک نہیں ہو سکتیں جب تک آدمی میں اسادہ کی غیر معمولی پختگی  
 اور انجام کار کی کامیابی کا غیر متزلزل یقین نہ ہو چنانچہ اسی وجہ سے قرآن مجید نے صبر اور ناز  
 کو متعدد آیات میں ایک ساتھ ذکر کیا ہے:-

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ  
 اور صبر و نماز کے ذریعہ مدد پا رہے۔

اوپر ہم نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے، مندرجہ ذیل آیت میں ان کی طرف نہایت  
 واضح اشارات ہیں:-

بِسْ اِنِیْ کِیْ بَاتُوْنَ بِرِمْبَرِ کَرْدِ اَوَر	مَا صَبَرْنَا عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ
اچھے رب کی حمد کی تسبیح پڑھو سوچ	وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ
کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے	طُلُوْمِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا
سے پہلے اور رات کے وقتوں میں	وَمِنْ اٰتَاہِ الْبَلِّ فَسَبِّحْ
اس کی تسبیح پڑھو۔ اور دن کے	وَاطْرَافِ النَّهَارِ لَعَلَّکَ
اطراف میں تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔	تَرْضٰی وَلَا تَمُدَّنَّ
اور تم نہ دیکھو اس زینت دنیا	عَیْنِیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعَیْنَاکَ
کی طرف جو ہم نے ان کی بعض جانتی	اَسَدًا جَابِقًا فَهَرَّضَہَا لَا
کو دیکھ رہے ہیں، تاکہ ہم اس کے ذریعہ	الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا لِنَقِیْبَہُ
سے دن کا امتحان لیں۔ تاکہ اسے	فِیْہِ وَرِثَہُ سَبِّحْ بِحَمْدِ

وَابْتَغِ الْوَعْدَ وَأْمُرْ أهلكَ  
 بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا  
 لَا تَسْأَلُكَ رِسَالَتًا نَافِعَةً  
 نَفْسُكَ وَالْعَاقِبَةُ  
 لِلتَّقْوَى -  
 (رہ : ۱۳۰ تا ۱۳۲)

دوسری جگہ ہے :-

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِعَاءَ  
 وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ  
 (سعد : ۲۲)

نیز فرمایا :-

فَأَصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ  
 وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ  
 بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ إِنَّ الَّذِينَ  
 يَجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ  
 بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتُفْهَرُونَ

پس ثابت قدم رہو، بیشک اللہ کا  
 وعدہ حق ہے اور اپنے گناہ کا مغفرت  
 چاہو، اور صبح و شام اپنے رب کی  
 حمد کی تسبیح پڑھو۔ بیشک جو لوگ  
 اللہ کی آیات کے بارہ میں منکر کسی  
 دلیل کے جواب کے پاس آئی ہو،

فِي صُلْدٍ وَرِهْوٍ اَلَا كِبْرًا هُوَ  
بَسَا لِيَعْلَمَ مَا سَتَعِدُّ يَا لَلَّهِ  
اِنَّهُ هُوَ السَّخِيعُ الْجَبِيْنُ  
جھکڑتے ہیں ان کے سینوں میں محض  
ایک گھٹڑ ہے جو پورا نہ ہو گا پس  
اللہ کی بناہ و حوڑ ہو۔ وہ سستہ والا

(رومن: ۵۵-۵۶) اور دیکھنے والا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عہد پر قائم رہنا، اس پر پورا بھروسہ کرنا، اس کی  
راہ میں مصائب جھلنا اور انجام کا سکی کامیابی کا منتظر رہنا کتنی ٹھنڈی راہ ہے اور اس میں  
ہر دم پر صبر و ثبات کی کتنی ضرورت پیش آتی ہے۔

یہی حال قربانی کا بھی ہے۔ یہ اس عظیم افسانہ صبر کی تعلیم پر مبنی ہے جس کا نمونہ ابراہیم  
فیصلؑ نے پیش کیا۔ بڑھاپے تک نہ انے ان کو کوئی اولاد نہیں بخشی، لیکن جب بخشی اور ایسی  
اولاد بخشی جس کے حسن باطن اور حسن ظاہر نے ان کو اپنا گریہ بنا لیا، تو اسی اولاد کو نہ ان  
اپنی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیدیا۔ غور کرو کتنا کھن امتحان تھا! لیکن حضرت ابراہیمؑ  
کے پائے ثبات کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوئی، بلکہ وہ خدا کے شکر گزار ہوئے کہ اس نے ان سے  
دو چیز مانگی جو ان کو تمام دنیا میں سب سے زیادہ عزیز و محبوب تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز پر ہمارا صبر، اسی طرح کا صبر ہے جس طرح کا صبر ہم مصائب  
کو برداشت کرتے وقت کرتے ہیں۔ نماز اور خدا کی جانی و مالی آزمائشوں کے وقت صبر میں جو تعلق  
ہے اس کو آیت ذیل بے نقاب کر رہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا  
بِعِصْمَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے

بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ  
مَعَ الصَّابِرِينَ وَلَا تَقُولُوا  
لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
أَمْوَاتٌ بَلْ أَحيَاءٌ وَلَكِنْ  
لَا تَشْعُرُونَ وَلَتُبْلَوُنَّ  
بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ  
وَالْقُبْحِ مِنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنْفُسِ وَالْأَمْوَالِ  
وَبَشِيرِ الْعَابِرِينَ الَّذِينَ  
إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ  
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا  
إِلَيْهِ رَاغِبُونَ أُولَئِكَ  
عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ  
وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
إِنَّ الصَّفَا وَالْمُنَى وَالْأَمَانَ  
شُعَارِ اللَّهِ فَتَنَ رَجْعَ الْبَيْتِ  
أَوْ اعْتَمَوْا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

ذریعہ ہے دروچا ہو، بیشک اللہ  
ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ  
ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں  
قتل ہوتے ہیں، اسی کو مردہ نہ کہو  
بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم محسوس  
نہیں کرتے۔ ہم تم کو کسی قدر خوفناک  
تھوڑا اور ملال، اور جانوں اور  
پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے، اور  
ثابت قدموں کو بربادست دو۔ جو کچھ  
حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی  
مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں: ہم  
اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی  
طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہی لوگ  
یہی جی پر ان کے رب کی طرف سے  
برکتیں اور رحمت ہے اور وہی  
لوگ راویاب ہیں بیشک صفا  
اور مردہ اللہ کے شعائر میں سے

اَنْ يَلُوْكَ وَهَمًا وَمَنْ  
تَطَوَّعَ حَيْثُ شَاءَ اللهُ  
مُشَاكِرًا عَلِيمًا  
ہیں، پس جو بیت اللہ کا حج اجمرو  
کرے، کچھ مسافرت نہیں کرے گا  
طواف کرے اور جس نے اپنی  
خوشی سے نیکی کی تو اللہ قبول

(تبعہ: ۱۵۳-۱۵۸) کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں مردہ کا بھی تذکرہ ہے اور ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مفصل کلمہ چکے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی قربانی کی تھی، غور کرو اس آیت میں ناز، صبر، جہاد، مصائب اور مقام قربانی کا تذکرہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ ایسا کیوں؟ اس وجہ سے کہ ایک جامع حقیقت نے ان سب کا رشتہ ایک ساتھ جوڑ دیا ہے۔

۱۰۔ ان دونوں میں اس امر کا اقرار و اعتراف ہے کہ ہر چیز خدا ہی کی ملکیت ہے، اور تمام نعمتیں اسی کی بخشی ہوئی ہیں۔ ناز میں تو یہ حقیقت بالکل ظاہر ہی ہے اس کی بنیاد ہی شکر اور اقرارِ ربوبیت پر ہے۔ غور کرنے سے یہ بات قربانی میں بھی معلوم ہوتی ہے یہ بھی نابینا حال سے گویا اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ ہم قربانی کر کے گویا اقرار کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا ہی کی ملکیت ہے، تمام نعمتیں اسی کی بخشی ہوئی ہیں، ہماری جانیں اور ہمارے مال سب اللہ کے خزانہ جو درویشی ہی سے ہم کو نصیب ہوئے ہیں، اس وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو خدا ہی کے حوالہ کریں اور اسی کی اطاعت و بندگی کی راہ میں ان کو استعمال کریں۔ یہ ہم کو اس لئے بخشنے والے ہیں کہ ہم اس کے فضل و احسان کا شکر

دار کریں اور جہاں اس کی مرضی ہو وہاں ان کو قربان کرویں۔ اس کا کوئی سامعہ نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف اسی کی بندگی کرتے ہیں اور اسی کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور جو کچھ اس کا بخشا ہوا ہے اسی کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ وہی پیدا کرنے والا اور وہی بخشنے والا ہے۔ اسی نے ہماری زبانوں پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ کا اقرار جاری کیا یعنی ہم اور ہماری تمام ملکیت خدا ہی کے لئے ہیں۔ حکومت اور احسان صرف اسی کی صفت ہے، ہمارے لئے صرف اطاعت اور شکر گزاری ہے جس طرح ملکیت مالک کی طرف لوٹتی ہے، اسی طرح ہم کو بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے لئے کسی چیز سے بھی یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی متمنع ہونا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک ہم اس کا نام لے کر اس کی بخشش کا اقرار نہ کریں۔ اسی چیز کی تسلیم کے لئے اس نے ہمارے لئے قربانی کا فریضہ ٹھہرایا، تاکہ جو انعام دیہائے اس نے ہمارے لئے مسخر کئے ہیں، ان کو اس کے نام پر قربان کریں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا  
لِّيَذْكُرُوا سَمَاءَ اللّٰهِ عَلٰی مَا  
سَنَّا لَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةٍ اَلَا تَعْلَمُوْنَ  
پر قربان کریں۔

رَج: ۲۴  
لَا اِلٰهَ سِوَا اللّٰهِ لَكُمُ  
مُكْتَبٌ وَّ اللّٰهُ عَلٰی مَا  
اسی طرح خدا نے ان کو تمہارے  
لئے مسخر کیا ہے تاکہ اس نے تم کو

هَذَا كُفْرٌ - جوہریت بحثی ہے اس پر اس کی

(ج: ۳۰ :- ۳۷) بڑائی کرو۔

حیوانات پر انسان کو خدا نے جو اختیار و تصرف بخشا ہے اس میں جیسا کہ ہم نے  
اوپر بیان کیا ہے، آقاؐ کی اور بندگی کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے ان کو ذبح  
کرنے وقت خدا کا نام لینا ضروری کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح زمین کی پیداوار میں بھی اس نے  
اپنا ایک حق رکھا کہ ہم یہ بات بھول نہ جائیں کہ یہ خدا ہی کی بخشش سے ہم کو ملی ہے۔

تَلَوْا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ  
وَإِذَا قُضِيَتْ يَوْمَهُ حَصَادُهُ  
اور جب پھل آئے تو ان کا پھل  
کھاؤ اور کاٹنے کے وقت اس کا

(انعام: ۱۴۲) حق دو۔

چونکہ ہمارے قبضہ میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کی ملکیت ہے، اس وجہ سے اسرار  
ناجائز نہ ہوا۔ اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی مالکیت کی سب سے بڑی شہادت دی  
یہاں تک اپنی جان اور اپنے محبوب نخت ہل کر کو بھی اس کی سادہ میں پیش کر دیا، اس وجہ سے  
قرآنی کے بیان کے لئے ان ہی کا نمونہ مثال قرار دیا گیا کیونکہ خدا کی امانت خدا کے حوالہ  
کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی اور مثال نہیں تھی۔

۱۱۔ یہ دونوں تقرب الہی کا ذریعہ ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ نماز کی سب سے  
زیادہ نمایاں حقیقت توہم الی اللہ ہے جو شخص نمازیں ہے وہ گویا اپنے رب کے حضور کھڑا ہے  
اور اس سے مناجات و گفتگو کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بائیں کسی طرف بھی متوجہ

سب سے پہلے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ نماز صرف ذریعہ تقرب بلکہ مقرب ہے۔  
یہ آیت اس کی دلیل ہے:-

وَمَا مَجْدُ وَاقْتَرِبَ  
اور سجدہ کرو اور تقرب ہو جاؤ

(علق: ۱۹)

اسی لئے نماز اس العبادت قرار پائی۔ میرے خیال میں عربی میں صلوات کا اصلی مفہوم بھی قربت قریب ہی کا ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس میں داخل ہو جانا۔ اسی لئے گھوڑ دوڑ کے اس گھوڑے کو جو اگلے گھوڑے کے بعد ہو، مصلیٰ کہتے ہیں۔ جو شخص آگ کے پاس نہایت قریب ہو کر تپ رہا ہو، اس کو صالی کہتے ہیں۔ یہی لفظ اس شخص کے لئے بھی استعمال کیا جائے گا، جو آگ میں گھس جائے۔

بینہ یہی حقیقت قربانی میں بھی مضمر ہے۔ قربانی کرنے والا اپنی قربانی ایسی جگہ لاتا ہے، جو اس کے خیال میں خدا کی طرف سے اس عبادت کے لئے مخصوص اور مقدس ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قربانی کے لئے ایک مخصوص زمین جگہ قرار پائی۔ یہود کے یہاں بیت المقدس کے سوا کسی دوسری جگہ قربانی جائز نہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لئے جس طرح تمام روئے زمین کو مسجد ہونے کا شرف حاصل ہوا، اسی طرح قربانی بھی ان کے لئے ہر جگہ جائز ہوئی۔ تاہم جس طرح مسجد کی نماز کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح قربانی کا ہر قربانی کرنا بھی افضل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ متعین فرمائی تھی۔ یہی جگہ ہمارے لئے بھی مخصوص ہوئی۔ چنانچہ جس طرح ہم ان کی تمثیر کی ہوئی مسجد



کے لئے سفر کرتے ہیں، اسی طرح اپنی قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی قربان گاہ پر لے جاتے ہیں۔ ان باتوں کا مقصد ہمارے دل میں یہ اعتقاد راسخ کرنا ہے کہ ہماری حیثیت خدا کے غلاموں اور جاگروں کی ہے جو لبیک کہتے ہوئے آقا کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی بندگی کے انوار کے لئے اپنی قربانیاں اس کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ پس جس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر صلوٰۃ کو صلوٰۃ کہا گیا ہے، اسی حقیقت کی رعایت سے قربانی کے لئے قربانی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

سنو اضحایا کلمہ ما نہا  
 اپنی قربانیوں کو قرب نہ کرو، کیونکہ  
 مطایا کلمہ  
 وہ تمہاری سواریاں ہیں۔

اس میں بھی اسی حقیقت کی جھلک ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اونٹ کی قربانی اس امت کی خصوصیات میں سے ہے (دیکھو فصل ثانی)۔

۱۲۔ نماز اور قربانی عبادت کے تمام طریقوں میں سب سے زیادہ قدیم اور فطرت انسانی میں سب سے زیادہ اترے ہوئے ہیں۔ سجدہ، رکوع اور نذر اظہار بندگی کے وہ مقبول عام طریقے ہیں جو ہر قوم و ملت میں عام اس سے کہ وہ ایک خدا کی پرستار رہی ہو یا متعدد دیوتاؤں کی، اس نے کسی رُوح یا بت کو پوجا ہوا کسی انسان کو مسجود بنایا ہو، عام رہے ہیں۔ بلاشبہ جذبہ اور دشمنی قوموں اور برحق اور گمراہ جماعتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق ان کی نمازوں اور قربانیوں میں بھی نمایاں رہتا ہے، تاہم نماز اور قربانی کی مقبول و مجتہد

عبادات کسی دکنی شکل میں جو وہ کتنی ہی سخی شدہ اور گڑھی ہوئی ہو، ہر جامعیت میں پائی گئی ہے جس طرح معبود کے ایک عام مفہوم میں، باہر گرستی ہونے کے باوجود، خود معبود کے بارے میں قوموں کے آزاد و معتقدات نے الگ الگ راہیں اختیار کر لیں، اسی طرح ان عبادتوں کی شکلیں اور صورتیں بھی ہر ایک کے یہاں مختلف سانچوں میں ڈھل گئیں۔ لیکن ایک مشترک حقیقت ہر سب کا اتفاق باقی رہا۔ باقی عبادات کے بارے میں تم کو یہ اتفاق رائے نظر نہیں آئے گا۔

پہلے سبب کی تفصیلات کے ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ایمان اور اسلام تمام کانٹا پر محیط ہیں اور نماز قربانی انہی دونوں کی صورتیں ہیں۔ اب مذکورہ بالا حقیقت کے ظاہر ہو جانے کے بعد تم پر یہ راز بھی کھل گیا ہو گا کہ دین اور عبادت کی راہ میں پہلے تو سب ایک ہی نقطہ سے تھے، لیکن ادھام ڈھنوں اور اغراض و بدعات نے غلط سمجھ کر کے لوگوں کو متیار رہا جوں پر ڈال دیا۔ یہ اختلاف جو آج نظر آ رہا ہے محض افراط و تفریط اور انصاف کا نتیجہ ہے۔ یہ حقیقت کا اختلاف نہیں ہے۔

## ۱۱۔ تمام ملتوں پر امت مسلمہ کی فضیلت

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ نماز کو جس طرح عام عبادات پر فضیلت اور ترجیح حاصل ہے اسی طرح قربانی پر بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے بیان میں خدا نے اس کو مقدم رکھا ہے۔ ان دونوں کی باہمی مناسبت پر ہم نے جو تقریر کی ہے اس پر

نور کرنے کے بعد اس فضیلت کی وجہ اور ان دونوں کی غفلت باطل واضح ہو جائے گی۔  
لیکن ایک اہم سوال باقی رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ کونتر کی عظیم انسان نیت صرف ہمارے  
لئے مخصوص کرنے اور نماز اور قربانی کے ایک ساتھ ذکر کرنے سے کیا خاص نتائج نکلتے  
ہیں؟ ہمارے نزدیک اس سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

- ۱۔ اس مسئلہ کو تمام دوسری ملتوں پر فضیلت حاصل ہے۔
- ۲۔ یہود اور نصاریٰ کے توبہ کی قبولیت ان کے اسلام لانے پر منحصر ہے۔
- ۳۔ حضرت ابراہیمؑ کے وارث صرف وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے ہیں۔
- ان امور کے سمجھنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے ہم یہاں  
ان پر بالاجمال گفتگو کریں گے۔

تمام قدیم مذاہب میں خدا کے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ قربانی تھا یعنی ہمارے  
یہاں جو تہ نماز کو حاصل ہے، وہی تہ دوسرے مذاہب میں قربانی کو حاصل ہے۔ یہود  
کے ہاں بھی یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ انھوں نے نماز کا دوسرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے، اور  
روزے کا ذکر اگر کیا بھی ہے تو کنایات و اشارات کے پردہ میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی  
عقل حقیقی بلوغ کو نہیں پہنچی تھی اس وجہ سے مجرد توجہ الی اللہ، جو نماز کی حقیقت ہے، ان کی  
روحانی تربیت کے لئے کفایت نہیں کر سکتی تھی۔ اس سب سے ملت اسلام میں نماز کو مقدم  
کرنا اور اس کو دین کا منظر قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ دین نے اپنی ترقی کا قدم عروج  
و کمال کے آخری زینہ پر رکھ دیا۔ لیکن یہ اہم نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہیے، کہ طبیعتوں کے

ہر ارج نظر مختلف ہوتے ہیں۔ ایک تو مطلق حکمت کے ذریعہ کمال تک پہنچ جاتی ہے  
 بانیہم اس میں بہت سے ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو لطیفیت قفل کے ابتدائی مراحل میں  
 ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے اگر یہ نمازی کستون دین قرار دیا اور اپنے نظام میں اس کی  
 لئے جو جگہ مخصوص کی وہ کسی عبادت کو نہ دی، تاہم اس نے قربانی کو بالکلہ ٹایا نہیں حتیٰ  
 کہ اس نے ان قدیم قوموں کی یادگار بھی اپنے دینی مراسم میں باقی رکھی جو دین کو محض سبب  
 خیال کرتی تھیں۔ چنانچہ اس کے کچھ آثار حج کے مراسم میں موجود ہیں۔

نصاری کا حال دینی مراسم میں یہود کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے یہاں صرف نماز  
 ہے۔ قربانی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس چیز کی وجہ سے وہ ایک کامل مذہب پر ہونے کا  
 دعویٰ نہیں کر سکتے، کیونکہ کمال اعتدال میں ہے غلو سے کبھی کوئی بھلائی وجود میں نہیں  
 آسکتی۔ چنانچہ اسی غلو کا نتیجہ ہے کہ دین کی اصل بنیاد یعنی ایمان کے معاملہ میں وہ یہود سے  
 بھی نیچے گر گئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اعمال کے معاملہ میں یہود ان سے  
 بہت حالت میں تھے۔

اسی نقطہ اعتدال کی رعایت اور ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دینے کی حکمت ہی  
 کا تقاضا ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ ذکر نماز کا آتا ہے اور ”خمر“ کا لفظ بجز اس سورۃ کے  
 پورے قرآن میں کہیں نہیں آیا ہے۔ جن جگہوں پر ”تفصیل“ ذکر قربانی کرنا، کا ذکر آیا ہے،  
 وہاں بھی تبعاً آیا ہے۔ پس چونکہ امت مسلمہ کے لئے نماز اور قربانی دونوں عبادتیں یکساں  
 کی گئی ہیں اور خدا نے ان کے فلسفہ اور ان کی عظمت کو پوری طرح ہمارے لئے واضح

کیا ہے، لہذا ہمارے پاس یہ کہنے کے لئے کافی وجہ موجود ہیں کہ اس جامع شریعت کو دوسرے نام شریعتوں اور ملتوں کی فضیلت بخشی گئی ہے۔

مشرکین اور ملحدوں کا ذکر تو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اسی کی نماز اور قربانی خدا کے لئے ہوتی ہی نہیں، اس درجے سے وہ سرے سے خارج از بحث ہیں۔ رہے یہود و نصاریٰ تو وہ صرف شریعت کے ایک رکن اعظم ہی سے محروم نہیں ہیں بلکہ ایک ظلم دین ہی سے محروم ہیں، کیونکہ وہ ایک ایسے مذہب پر قائم ہو گئے ہیں جو صرف ایک محدود مدت تک کے لئے بھیجا گیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نصاریٰ کا مذہب تجرد اور ترک دنیا کا مذہب تھا۔ اس میں ہر شخص پر صرف اس کے نفس کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا گیا تھا، اس درجے سے ان کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا صرف روزہ، نماز اور زکوٰۃ پر قائم رہنے کا حکم ہوا۔ اور ان عبادات کو بھی ان کو پوشیدہ طور پر کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہ طریقہ اگرچہ ان کی اصلاح و تربیت کے لئے نہایت موزوں تھا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے فرائض و سنن اس اخلاقی و ازداری کے پردہ میں غائب ہو گئے، اور آہستہ آہستہ انہوں نے یہ تمام تعلیمات ضائع کر دیں چنانچہ موجودہ انجیلیں روزہ اور نماز کا حکم بحیثیت فرائض کے نہیں دیتیں بلکہ ان کو صرف سجاوٹ کا درجہ دیتی ہیں اور سنی قدیر کتب و محنت اور عفو و انعام کی بالکل مخالفت ہیں جب انہوں نے اپنی شریعت کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دیا تو کس قدر احتیاطاً و حذر سے کرنا چاہیے، تو اس کی جگہ ان کی بدعات و خرافات نے لے لی۔ چنانچہ ان میں یہ اعتقاد

پھیل گیا کہ چونکہ حضرت مسیح اپنی تمام امت کی طرف سے قربان ہو گئے ہیں اس وجہ سے قربانی کے حکم کی ذمہ داریوں سے اب وہ سبکدوش ہو گئے۔ اس خیال میں یہودی کی شریت کے اس حکم کی جھلک نظر آتی ہے جس کا تئیار ہے کہ کسی گناہ کا کفارہ بغیر خون بہائے نہیں ادا ہو سکتا۔ چنانچہ ان کے خیال میں حضرت مسیح نے اپنا خون بہا کر اپنی تمام امت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس عقیدہ کے اختیار کر لینے کے بعد نصاریٰ کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ماننا لازمی ہو گیا۔ اور یہ دونوں باتیں کفر والی دہونے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ یا تو وہ یہ تسلیم کریں کہ حضرت مسیح نے ان کے مستقبل کے بھی تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ چنانچہ ان کے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے بھی کہ حضرت مسیح پر محض ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ اور یہ رجائیت کی بدترین صورت ہے یا یہ مانتے ہیں کہ مستقبل کے گناہوں کی مغفرت کی اب کوئی صورت باقی ہی نہیں رہی، جیسا کہ ان کے ایک فرقہ اور ان کے امام پولوس کا خیال ہے۔ اور یہ معتزلہ کی اس غلطی سے بدجہا بڑھ کر ہے جس کے وہ رجائیت کی حد سے بڑھی ہوئی مخالفت میں متکلب ہوئے ہیں۔

یہی اتریا یہودی کے ہاں بھی ہے۔ ان کے ہاں بھی دو باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ بغیر قربانی کے مغفرت نہیں ہو سکتی، دوسری یہ یہیکل کے سوا کسی دوسری جگہ قربانی جائز نہیں ہے۔ ان دونوں حکموں کی موجودگی میں ان کے ہاتھوں سے یہیکل کے نکل جانے کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے مذہب کی رو سے ان پر توبہ کا دروازہ ہی بند ہو گیا۔ اور ان کے لئے اس کے سوا اب اور کوئی راہ باقی ہی نہیں رہی کہ اس نبی موعود (صلی اللہ علیہ وسلم)

پر ایمان لائیں جس کی بعثت سے ان کی تمام آرزوئیں وابستہ کی گئی تھیں اور جس کو پوری طرح ان کے انبار نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ قرآن مجید میں جس جگہ یہود کو آخری اور کامل شریعت کے قابل ٹھہرایا گیا ہے اور حضرت موسیٰ نے ان کے لئے مغفرت چاہی ہے، وہاں اس وعدہ کا بھی ذکر ہے :-

کہا، میں اپنا عذاب جس پر چاہتا	قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ
ہوں، نازل کرنا ہوں، اور	مَنْ أَمْسَأُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ
میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے	كُلَّ شَيْءٍ مَّا كُتِبَ عَلَيْهَا لِلَّذِينَ
ہیں میں اس کو ان لوگوں کے لئے	يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
کہہ رکھوں گا جو تقویٰ پر قائم	وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ
رہیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور	الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ
جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے	الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
جو اس رسول اور نبی امی کی	يَحِلُّ ذُنُوبُهُمْ مَّا كَانُوا يَعْبُدُوهُمْ
پیروی کرتے ہیں، جس کو وہ	فِي الشُّرَكَاءِ وَالْإِنجِيلِ -
اپنے یہاں تورات اور انجیل	(اعراف: ۱۵۶-۱۵۷)

میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہی لفظوں کی ایک آیت و مَضَلِّ لِرَبِّكَ وَنَحْنُ  
نبیائے تمام مذاہب و اعیان پر بھاری ہے۔ اگر یہودیت و نصرانیت کو ایک پلڑے میں

رکھا جائے اور اس آیت کو دوسرے میں تو پہلے لفظ کے وزن سے یہ یہودیت پر بھاری ہو جائے گی اور دوسرے لفظ کا وزن اس کو نصرایت پر بھاری کر دے گا، اور چونکہ بقیہ تمام دنیا کی قربانیاں غیر اللہ کے لئے ہیں اور سب سے اللہ واحد کو چھوڑ کر ارباب دامن ٹھہرائے ہیں اس وجہ سے بیچ کا عظیم انسان لفظ، اس کا پلہ تمام عالم سے گراں کر دے گی۔ پھر حسن نظم کا اعجاز دیکھئے کہ آپ سے آپ خدا پرستی کی کیسی سیدھی اور معاف راہ باز ہو گئی ہے۔ اللہ کی بندگی کی راہ یہ ہے کہ ہر حال میں خدا کی یاد کی جائے اور دل براہ اس کی طرف متوجہ رہے۔ اور زمانہ اور محال کی معایت کے ساتھ ہر مورد مشکل میں اس کے سامنے عجز و نیاز کی نذر گزرائی جائے۔

اب ایک دوسرے پہلو سے غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی وصیت بنی امی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کی طرف منتقل کر دی اور اس مخصوص وراثت سے یہود و نصاریٰ کو محروم کر دیا، اس وجہ سے اس نماز اور اس قربانی کا حکم دیا جو اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ جیسا کہ بالکل واضح ہے حضرت ابراہیمؑ نے ایک مسجد کی تعمیر کی تھی، کوئی قربان گاہ نہیں بنائی تھی۔ خود قرآن کے الفاظ اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

میرے گھر کو طواف کرنے والوں  
اتسکان کرنے والوں اور رکوع اور  
سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو

لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ آلِهَتِنَا وَالْعَالَمِينَ  
وَالرَّسُولِ السُّجُودَ  
(بقراءۃ: ۱۲۵)



اس سے صاف واضح ہے کہ دین ابراہیمی کی اصل روح نماز ہی میں پوشیدہ تھی رہی قربانی تو یہ ان کی ادوار کے اطاعت شعار فرزند حضرت اسمعیلؑ کی نذوت جہاں شمار کی یادگار ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے اس سنت کے قیام و اجراء کے لئے مقام مردہ مخصوص ہوا، جو حضرت اسمعیلؑ کی قربانی کی جگہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو حجاج بیت اللہ کی قربانی کی یادگار بنا کر اس کو ہمیشہ کے لئے قائم ثابت کر دیا۔

یہود کی عبادت تمام تر قربانی تک ہی محدود تھی اور یہ بھی ان تمام حقائق و اشارات سے یکسر خالی تھی جن کی طرف قرآن حکیم نے جا بجا رہنمائی کی ہے۔ ان کے ہاں کوئی ایک نہاد بھی اس بات کی نہیں ملتی کہ ان کی یہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔ ان کی آسمانی کتاب خود ان کے اس دعوے کی بہرہ وجود و تردید کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم مفصل اس کے مقام پر لکھ چکے ہیں۔

چونکہ صورتِ معاملہ یہ تھی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ”بخ“ کا لفظ استعمال کیا جو اونٹ کے ذبح کے لئے مخصوص ہے اور اونٹ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ یہود پر حرام تھا۔ اس بحث کی تفصیلات سورہ بقرہ و آل عمران سے متعلق ہیں، یہاں اجالی اشارہ کافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ اونٹ کی قربانی میں یہود کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ قربانی صرف ابراہیمی قربانی ہے، جو حضرت اسمعیلؑ کی اولاد کے لئے مخصوص ہے۔

اشارہ ہے رسالہ ”الراۃ الصغریٰ“ کی طرف جس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

## ۱۲۔ مَثَانِکَ اور الْاَبْتَرُ کی تاویل

آخری آیت کی تاویل سے پہلے اس کے دو لفظوں ”مَثَانِکَ“ اور ”الْاَبْتَرُ“ پر

غور کر لینا چاہیے۔

لفظ ”مَثَانِی“ مسرود کی طرف مضاف ہو کر خود مسرود کے حکم میں آگیا ہے۔ اگرچہ مفسر کے لئے نہیں تو شخص لازمی چیز نہیں ہے تاہم بعض مفسرین نے یہاں تعین کرنی چاہی اور چونکہ انھوں نے استبطاء عام احوال و واقعات کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ اس وجہ سے جیسا کہ اس حالت میں متوقع ہے، ان کے اقوال مختلف ہو گئے ہیں۔ ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد عاص بن وائل ہے، جس نے کہا تھا ”اَنَا مَثَانِی“ محمدؐ ”دیں محمد کا دشمن ہوں“ شمر بن عطیہ سے روایت ہے کہ یہ عقبہ بن ابی معیط ہے، وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میںیر کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہے گی، ان کی نسل منقطع ہے۔ اسی طرح ابن عباسؓ اور عکرمہؓ کے بعض اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سے فریض کو مراد لیتے ہیں میرے نزدیک اگرچہ اس لفظ کا مصداق کوئی مخصوص شخص ہونا چاہیے اور آیت کا اولین محل وہی ہوگا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لے کر اس کی فیضیت نہیں پسند کی تو بہرہوسہی ہے کہ ہم بھی اس کو نام کے ساتھ متعین کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ تفصیلات اس صورت سے متعلق ہیں جب یہاں کسی معنی شخص کو مراد لیا جائے

لیکن جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں معارف کے لئے بغیر درسی نہیں ہے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ بے خطر راہ یہ ہے کہ استنباط کی باگ قرآن مجید کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اس کا نظم و سیاق جس طرف اشارہ کرے اسی طرف چلنا چاہیے۔ پچھلی سورہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ رحمان کلام قریش کی طرف ہے جو خدا کے گھر کے متولی اور امین تھے اور اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہو چکے تھے، تمام قابل اعتماد روایات اسی پہلو کی تائید کرتی ہیں پھر حالات و قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی اس لفظ کے سب سے زیادہ صحیح مصداق ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پچھلے مباحث کا اقتضا بھی یہی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ادلاً اور بالذات تو اس سے قریش ہی کو مراد لینا چاہیے۔ پھر ہر اس جماعت یا شخص کو جس میں یہ صفت پائی جائے۔ موعزہ نزول کی خصوصیات کسی لفظ کی دستوں کو محدود نہیں کرتی۔ یہاں اس لفظ سے متعلق اتنی ہی گفتگو کافی ہے۔ آیت کی تفسیر کے ذیل میں مزید تفصیل ملے گی۔

”ابن“ ترجمہ صفت کا میند ہے مگر کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ یہ لفظ عربی زبان میں مختلف طریقوں سے استعمال ہوا ہے جن پر غور کرنے سے اس معنی کی طرف بھری ہوتی ہے جو جہاں مراد ہے۔ اس وجہ سے اس مادہ کے مشتقات ہم ان کی معنوی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

”شیف ابتر“ یا ”بنا“ شمشیر براں کو کہتے ہیں۔ ”بتو فلاح“ سرحمہ“ زلفاں شخص نے شمشیر کو کاٹ دیا۔ اسی سے ”بنا“ ہے جس کے معنی قاطع و رحم کے ہیں۔ ابن الرجل کے معنی ہیں۔ اس نے دیا بھر رک گیا۔ ”بتو ابتر“ براں قاطع

کو کہتے ہیں۔ قربانی والی حدیث میں ہے۔ "انہ غمی عن المبتوسۃ وراپ نے دم بریدہ جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔" "ابتد" ایک خاص سائب کو کہتے ہیں جس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔ اسی طرح "ابتد" اس شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل منقطع ہو۔ حدیث میں ہے اہل اندلسی بال لہرمیداً ببسم اللہ فہو ابتد" درجواہم کام اللہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ اتر ہے) جو خطبہ حمد و صلوٰۃ سے خالی ہو اس کو تبراء کہتے ہیں۔ "الابتد" اس مشک یا ڈول کو بھی کہتے ہیں جس میں لٹکانے کی رسی یا قسم نہ ہو۔

"اُتبتان" گدھے اور غلام کے لئے بولاجاتا ہے۔ سورج کی تازت اور اس کی شعاعوں کی تابانی جب اندر بڑھ جاتی ہے اور صرف زردی نکالے باقی رہ جاتی ہے تو اس کو "تبراء" کہتے ہیں۔

ان تمام شتقات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "ابتد" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ان تمام چیزوں سے محروم ہو گیا ہو، جو اس کی عزت و عظمت اور قوت و شوکت کا ذریعہ ہو سکتی ہوں۔ چنانچہ دیکھو، سورج جب اپنی شعاعوں کی فوج سے الگ ہو کر، اپنے تمام حلال و عظمت سے محروم ہو جاتا ہے اور ایک چھوٹی سی ٹکیا کی شکل میں نظر آنے لگتا ہے تو اس کو "تبراء" کہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص اپنے رشتہ رحم کو کاٹ کر اپنے عوام و انصار کی حمایت سے محروم ہو جاتا ہے اس کو "تبر" کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے "اُتبتان" کا لفظ گدھے اور غلام کے لئے بولا گیا کہ قبیلہ میں سب سے زیادہ کم حیاتی انہی کے ہوتے ہیں۔

اسی بنا پر قادیان نے "تبر" کے معنی "تھوڑا ذیل" کے بتائے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم

ہو اگر یہ لفظ مقطوع کے معنی ہے چل کر صغیر و قصیر کے معنی میں آیا ہے۔ پھر یہ بے یار و مددگار اور قیقر و ذیل کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

ان دونوں لفظوں کی تفسیر سے فارغ ہونے کے بعد اب ہم آیت کی تاویل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

### ۱۳۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کی تاویل

اس میں شبہ نہیں ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ان لوگوں کے جواب میں ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ کے طور پر ابر کہا تھا۔ تمام مفسرین نے ایسا ہی سمجھا ہے اور ہم کو بھی اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔ لیکن اس کہنے سے ان کا مطلب کیا تھا؟ اس کا جواب کسی قدر محتاج تفصیل ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو قریش نے خیال کیا کہ اپنے رشتہ رجم کاٹ کر ایک طرف عرب کے معزز ترین خاندان کی تمام عظمتوں اور حمایتوں سے اپنے کو محروم کر لیا اور دوسری طرف تولیت کعبہ اور اس کی ہجواری کی جو عزت و سعادت اس خاندان کے واسطے سے آپ کو حاصل تھی، وہ بھی اپنے ہی ہاتھوں برباد کر دی۔ اس کے بعد آپ کی حیثیت ان کی نظر میں محض ایک شاخ بریدہ کی تھی جو اپنے تنہ سے الگ ہو کر خشک اور فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دی گئی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکت و کثرت اور فتح و نصرت کی بشارت دی کہ آپ کے دشمنوں کا

خیال بالکل غلط ہے وہ خود ہی بے یار و مددگار اور تباہ و برباد ہوں گے۔ اور چونکہ یہ بات ان کے خیال کی تردید میں کہی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس میں ایک لطیف تعریف بھی ہے کہ آپ کے دشمن جس عزت پر آج فخر کر رہے ہیں وہ منقریب ان سے چھین جائے گی۔ اس پہلو سے اس آیت میں فتح مکہ کی بشارت بھی ہے۔

لغت اور عظیم کلام کے علاوہ روایات سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ امام سیوطی کہتے ہیں:-

بزرگ و فیروہ نے بنید صبح ابن عباس سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کہ آیا تو قریش نے اس سے کہا، تم اہل مدینہ کے سردار ہو۔ اس شخص کو دیکھتے ہو، جو اپنی قوم سے کٹ کر غلط ہو گیا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو ہم سے افضل خیال کرتا ہے، بالانکہ حجاج کے نگران، ان کو پانی پلانے والے، اور خانہ کعبہ کے کلید بردار اور متولی ہم ہیں۔ کعب نے جواب دیا تم اس سے افضل ہو۔ اس پر اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الَّذِي تُدْعٰى اِلَيْهِ اَتٰی آری“

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن المنذر نے حضرت مکرہ سے یہ روایت تخریج کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے مشرف فرمایا تو قریش نے کہا کہ محمد ہم سے کٹ گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ شَانِئَكَ اذٰلٰی آیت نازل فرمائی۔ امام احمد و دیگر بھی اسی مضمون کی روایتیں تخریج کی ہیں جو حضرت ابن عباس سے

مردی ہیں۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک روایت ابی جریرؓ نے بھی تخریج کی ہے جو اس جہاس سے مروی ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ آیا تو قریش اس سے لے اور کہا کہ ہم حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور کعبہ کے کلید بردار ہیں، تم اہل مدینہ کے سردار ہو، تباؤ ہم بہتر ہیں یا یہ شخص جو اپنی قوم سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا ہے اور اپنے کو ہم سے افضل خیال کرتا ہے۔ اس نے کہا تم افضل ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ سَانَ لَكَ هُوَ اَوْلٰی بِرُ دالی آیت نازل فرمائی اور اسی موقع پر یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُذُوْا	کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو
نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ	جن کو کتاب آسمانی کا ایک حصہ ملا
بِاِحْسَابٍ وَّالطَّاعُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ	ہے وہ جہت و طاعت پر ایمان
لَّذِیْنَ كَفَرُوا هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ	لاتے ہیں اور کفار سے کہتے ہیں کہ
اَهْدِیْ اَمِّنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہ یاب
سَبِيْلًا ۚ اُوْلٰئِكَ الَّذِیْنَ	ہو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پٹھ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَلْعَنُوْنَ اللّٰهَ	ہے اور جن پر خدا کی پٹھکار ہوئی
فَلَنْ یَّجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا	تم ان کے لئے کوئی مددگار
	نہیں پاسکتے۔

بعینہ اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت مکرّمؓ سے بھی ہے صرف دو سخن اہل الجمع و عندنا منہا البدن کے الفاظ اس میں زیادہ ہیں۔

یہ تمام روایتیں، تقریباً ہم معنی ہیں۔ قریش کو اپنے خاندانی شرف اور اپنی برتری  
 نیز بیت اللہ کی ہجواری و خدمت اور قرآنی پر بڑا ماننا تھا۔ وہ اسی کو حضرت ابراہیمؑ  
 علیہ السلام کی وراثت سمجھتے تھے، اس وجہ سے ان کو خیال ہوا کہ جو شخص ان سے ملحد ہو گیا  
 وہ اس شاخ بریدہ کے مانند ہے جس کا خشک ہو کر فنا ہو جانا یقینی ہے۔ وہ اپنے اس گمان میں  
 لگن تھے اور یہودی سرفار کی تائید نے ان کے اس گمان کو مزید قوت دیدی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ  
 نے ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی کہ جو خیال تم پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قائم کر رہے  
 ہو وہ بالکل غلط ہے۔ البتہ تم خود عنقریب مذول اور ذلیل ہو گے۔ اور وہ تمام نعمتیں جو تم کو  
 خاندان کعبہ کی تولیت کے صلہ میں ملی تھیں، تمہاری شرارتوں اور بد عہدیوں کی پاداش میں تم سے  
 جھین لی جائیں گی۔ چنانچہ سورہٴ اہٴ کے نزول نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو پرجہ کر دیا اور خاندان  
 کعبہ سے مشرکین کا رشتہ یک ظلم منقطع کر دیا گیا۔ یہاں یہ عمل اشارات کافی ہیں۔ چند حروفِ فصل  
 میں اس کے متعلق مزید تفصیلات آئیں گی۔

## ۴۱۔ سورہ کا موقع نزول اور فتح مکہ کی بشارت

پچھلی فصلوں میں گزر چکا ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ کی بشارت ہے اور اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ  
 ارضی کا صیغہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ وعدہ فتح عنقریب پورا ہونے والا ہے۔  
 قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی  
 مخالفتوں کے مقابل میں صبر و استقامت کا حکم دیا ہے۔ اور اگرچہ فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے



لیکن ہر وعدہ میں ایک قسم کا ابہام نظر آتا ہے۔ مثلاً:-

وَأَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي  
نَعِدُ هُوَ أَوْ نَمُوتَ نَبِّئَكَ فَأَنَّا  
عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا  
الْحِسَابُ -

(زلزلہ: ۴۰)

دوسری جگہ ہے:-

فَأَنَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا  
مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ أَوْ نُرِيَنَّكَ  
الَّذِي وَعَدْنَا هُوَ فَإِنَّا  
عَلَيْهِ مُقْتَدِرُونَ -

(زخوف: ۴۱-۴۲)

قابلو حال ہے۔

ان آیتوں سے صاف نہیں کہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس طرح کا معاملہ ہوگا؟ آپ حضرت عیسیٰؑ کی طرح نصرت الہی کے ظہور سے پہلے ہی اٹھائے جائیں گے یا حضرت نوح علیہ السلام کی طرح غلبہ و نصرت ربانی کا جلال و کرم کر، یا ان دونوں سے الگ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا معاملہ پیش آئے گا جن کو نوح و نصرت کا کچھ حصہ ان کی زندگیوں میں دکھا دیا گیا، لیکن اس کے قابل ظہور کا وعدہ آخری بعثت پر

اٹھا رکھا گیا۔ اس وجہ سے مسلمان ایک صاف و صریح وعدہ کے لئے بے قرار تھے۔ اس آیت نے نازل ہو کر مسلمانوں کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی، اور جو بات اب تک صرف اشارات میں کہی گئی تھی وہ بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آگئی۔

اس وجہ سے قیاس یہ ہے کیا تو یہ سورہ، فتح مکہ سے ذرا پہلے نازل ہوئی ہے یا پہلی فتح یعنی صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی ہے۔ روایات سے بھی ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں مندرجہ ذیل روایت نقل کی ہے۔

”سید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ ”فَصَلَ لِرَبِّكَ وَانْحَرُ“ والی آیت حدیبیہ کے دن نازل ہوئی جب رسول علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ قربانی کر کے لوٹ جاؤ۔ آنحضرتؐ اٹھے اور عید الفطر یا عید الاضحیٰ (راوی کو شبہ ہے) کا خطبہ دیا۔ پھر درگفت نماز ادا کی اور قربانی کی، اسی وقت حضرت جبریلؑ نے ”فَصَلَ لِرَبِّكَ وَانْحَرُ“ کا پیام دیا۔“

امام سیوطیؒ نے یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ ”اس میں سخت غرابت ہے“ لیکن اس غرابت کی کوئی وجہ انھوں نے نہیں بیان کی ہے۔ چونکہ یہ روایت مختلف وجوہ سے ان کو مشہور خیال کے مخالف نظر آئی اس وجہ سے انھوں نے وجوہ غرابت کی تشریح ضروری نہیں سمجھی۔ حالانکہ جن اسباب ان کو یہ دہم ہوا ہے وہ خود تامل کے بعد بالکل بے حقیقت ہو جاتے ہیں، ہم اجمالاً ان کو یہاں بیان کئے دیتے ہیں تاکہ ان کے ضعف کا اندازہ ہو سکے۔

۱۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ سورہ مکی ہے اور حدیبیہ کا واقعہ ہجرت کے بعد پیش آیا ہے۔ حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ جو سورتیں ہجرت کے بعد

کہ کے قریب نازل ہوئی ہیں، وہ بھی کی ہی کہلاتی ہیں۔ حدیث یہ کہہ سے بالکل قریب بلکہ حدودِ حرم میں داخل ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک منزل کی مسافت ہے، برعکس اس کے حدیث اور حدیث کے درمیان نو منزلوں کی مسافت ہے۔

۲۔ دوسرا شبہ یہ ہوا کہ حدیث کا واقعہ ہجرت کے ۵ سال ۱۰ مہینے کے بعد پیش آیا اور کعب بن اشرف ہجرت کے تیسرے سال قتل ہوا ہے اور روایات میں آیا ہے کہ **إِنَّ شَأْنَهُ هُوَ الْآبِتُ** اس کے اُس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو قریش نے اس سے پوچھا تھا اور جس کی تفصیل پچھلی فصل میں گزر چکی ہے۔ اس وجہ سے اس سورہ کا حدیث کے موقع پر اتنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب کسی آیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس طرح کے موقع پر اتری تو اس کا مطلب کوئی تعین و مخصوص وقت نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص حالت کے ساتھ آیت کی مطابقت ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہے، اس وجہ سے **إِنَّ شَأْنَهُ هُوَ الْآبِتُ** سے وہ تمام جامعتیں مراد ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہوں، خواہ وہ فاجر ہو چکی ہوں، یا قیامت تک ظاہر ہوتی رہیں۔ اس آیت کے نزول کے وقت تک آپ کے جو امدادِ دولت و نامِ ارادی کی موت مر چکے تھے وہ گویا سب باقی رہ جانے والے دشمنوں کے لئے مثالِ عبرت تھے کہ جسے گفتگو کرنے کے بعد یہ نہیں ہوا تھا کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل دیا ہو بلکہ اس شریعت نے جو کچھ ان کے کانوں میں پھونک دیا تھا وہی ان کا اذعان و اعتقاد تھا۔ لیکن جب ایمان لائی کے ظہور نے آپ کے تمام امداد کو پامال کر ڈالا

توجہ اور ان کو اپنا یقین بدلنا پڑا پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے متعلق ہے، جو کدکے قریب میں آگئے تھے، ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت ان کے حال سے بالکل مطابق ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کے طعنہ کا جواب دیا اور اس میں ذرا بھی توقف نہیں فرمایا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ اس آیت میں ”ثانی“ سے عقبہ بن ابی معیط کو مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا تھا کہ آپ کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہیں رہتی۔ اس وجہ سے آپ اترتے ہیں عقبہ بدر میں قید ہوا اور بدر کے جو قبیلے قتل ہوئے ان کے ساتھ قتل کیا گیا۔ لیکن یہ وجہ بھی کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔ دوسری وجہ کی تردید میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس وجہ کی تردید کے لئے بھی کافی ہے۔ پھر اس آیت کی یہ صحیح تاویل اس طعنہ سے بالکل بے تعلق ہے۔ اترے یہاں منقطع النسل یا لادلد مراد نہیں ہے۔ یہ تاویل بالکل مغلط ہے۔ نظم بھی اس سے ادا کرتا ہے اور روایت کے پہلو سے بھی اس میں ضعف ہے اس وجہ سے سید بن جبیر کے قول میں کوئی غوابت نہیں ہے بلکہ حق بات یہی ہے۔

اس سورہ کی ادب و دلی دو آیتوں کی تفسیر میں محمد بن کعب قریظی سے جو قول مروی ہے اس سے بھی سید بن جبیر کے قول کے تاہد ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

”بنت سے لوگ غیر اللہ کے لئے عبادت و قربانی کرتے تھے پس اے محمد جب ہم کو کوثر بخش تو تمہاری ناز و قربانی صرف ہمارے ہی لئے ہونی چاہیے“  
وہ گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قریش کوثر کی عظیم شان نہت پا کر بھی اس سے محروم

ہی رہے کیونکہ انھوں نے اس نعت کی قدسین پہچانی اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ اس وجہ سے ﴿۱۰﴾  
 اللہ تعالیٰ نے یہ نعت ان سے چھپی کر تم کو بخشی۔ بس جب ہم اس کو تمھیں دیدیں اور گویا دے چکے  
 تو تم اس کا حق ادا کرو۔

یہ ستم ہے کہ جب کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیا جائے جو کسی واقع ہونے والی بات پر  
 مبنی ہو، تو اس کے منہ یہ ہوتے ہیں کہ یہ بات یا تو واقع ہو چکی ہے یا منقرض واقع ہونے والی ہے۔  
 چنانچہ جب سورہ نصر اتری تو لوگوں نے اس کے مضمون سے یہی سمجھا کہ اس کا نزول طہور علیہ السلام  
 کے وقت ہوا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی محمد بنی کعب کے قول ”جب ہم تم کو کوثر بخشیں“ کا  
 مطلب یہی سمجھا ہے کہ ہم نے تم کو کوثر بخش دیا اور اس وعدہ کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے۔

## ۱۵۔ سورہ پر بحیثیت مجموعی ایک نظر

جو تاویل ہم نے اوپر بیان کی ہے، اگر تم اس کو صحیح تسلیم کر کے اس سورہ پر بحیثیت  
 مجموعی ایک نظر ڈالو گے اور ان آیات کے تمام حدود و اطراف پر غور کر دگے تو تمھارے سامنے  
 مندرجہ ذیل اہم حقیقتیں آئیں گی۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لوگ وراثتِ ابراہیمی کے وارث  
 ہوئے اور یہ حقیقت دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا ظہور و اعلان ہے۔

۲۔ یہ عطیہ دکنفرم اللہ تعالیٰ نے خاندانوں اور نسلوں سے چھین لیا کیونکہ ایسے لوگ  
 خدا کے یہاں مبغوض ہیں جیسا کہ سورہ حج میں بیان فرما دیا ہے۔

۳۔ اس علیہ سے محرومی ایک مخصوص صفت کا نتیجہ قرار دی گئی ہے جس سے اس کی اصل علت بھی واضح ہو گئی یعنی پیغمبر کے ساتھ دشمنی اس علیہ الہی سے محرومی کا سبب ہے۔

۴۔ یہ محرومی و نامرادی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ وراثتِ ابراہیمی کے وارث ہیں وہ اللہ کے دوست ہوں گے یعنی یہ وراثتِ اہل حق اور اصحابِ باطل کے درمیان ایک نشانِ امتیاز ہے۔ جو اس سے محروم ہوں گے ان کا شمار دشمنوں میں ہو گا اور جو اس سے سرفراز ہوں گے ان کا شمار دوستوں میں ہو گا۔

۵۔ جب نماز اور قربانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی اور محبت کا نشان قرار دیا ہے تو لازماً ان کا ترک اس کی دشمنی کی دلیل ہو گا۔ اور مشرکین، اور یہود و نصاریٰ اور اس امت کے تمام مبتدعین اس کے امداء کے گروہ میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ ان میں سے بعض نے نماز کا استغناء کیا ہے اور بعض نے حج کا اور بعض دونوں ہی سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ پس جو لوگ نماز، قربانی اور حج کو ضائع کر دیں گے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ٹھہریں گے اور یہود و نصاریٰ کی طرح وراثتِ ابراہیمی سے محروم ہو کر ذلیل و بال ہوں گے۔ لیکن اسلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ مخصوص فضل و کرم ہے کہ اہل حق اور اصحابِ سنت کی ایک جماعت اس کی خدمت کے لئے باقی ہے جو انشاء اللہ فروغ پائے گی۔ اور اسلام کی عزت و شوکت کا ذریعہ ہوگی۔

وَإِن تَوَلَّوْا يَتَّبِعِ اللّٰهُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَوْ سَأَوْتُمْ سَمِعْتُمْ لَهُم مَّوَدَّةً ۚ وَلَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَن يَتَّخِذَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ لَّكُنْتُمْ أَكْثَرُ خَاسِرِينَ ۚ

حبیب پر

ثُمَّ لَا يَكُونُ لَكَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَكِيمٌ  
 دوسری قوم کھڑی کہے گا۔ پھر وہ  
 (مجلد ۳۸)

ان تفصیلات سے واضح ہو کہ یہ سورہ ایک طرف فتح مکہ کی بشارت ہے دوسری طرف  
 اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے لئے درانتِ ابراہیمی سے محرومی کی دھمکی ہے۔  
 اس کا اول اور آخر بالکل مقابلہ کے اسلوب پر ہے اور بیچ کا حصہ گویا بیڑی کی طرح دونوں  
 طرف سے متعلق ہے یعنی جو لوگ توحید پر قائم رہ کر نماز اور قربانی کو قائم کریں گے وہ کوثر کی نعمت  
 سے سرفراز ہوں گے۔ اور جو ان کو ترک کریں گے، وہ کوثر سے محروم ہوں گے۔ اس سورہ کی  
 مثال ایک ترازو کی ہے جس میں دو پلڑے ہیں اور بیچ میں اس کی زبان ہے ایک پلڑے میں  
 خیر کثیر کی گرانمایہ دولت ہے، دوسرے میں محرومی و نامرادی کی ذلت۔ یا یوں سمجھو کہ ایک  
 طرف وجود ہے اور دوسری طرف عدم۔ اور جس طرح میزان کی زبان وزن کی طرف  
 جھک سکتی ہے، اسی طرح بیچ کی آیت پہلی آیت کی طرف جھکتی ہے اس وجہ سے ان  
 دونوں کے درمیان ”ف“ کے ذریعہ ربط قائم کیا گیا ہے۔ برعکس اس کے تیسری  
 آیت بالکل عکس ہے۔ گویا سورہ کا اسلوب کا اعلان کر رہا ہے کہ خوف کوثر پیغمبر صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے متبعین اور جان نثاروں کا مخصوص حصہ ہے۔ آپ کے امداد اور معاونین  
 اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔

## ۱۶۔ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رضوانِ الہی کی بشارت

ادھر گزر چکا ہے کہ جس طرح یہ محرومی آپ کے تمام دشمنوں کے لئے مام ہے اسی طرح یخیش بھی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے مام ہے۔ اس وجہ سے یہ بشارت صرف کفر پر اسلام کے غلبہ ہی کی بشارت نہیں ہے، بلکہ قیامت کے دن آپ کی امت پر رحمت و رضوانِ الہی کی جو بارش ہوگی اس کی بشارت بھی اس میں منفرج ہے اور آخرت میں حوضِ کوثر کا بننا جانا اسی حقیقت کی ایک تعبیر ہے۔

اس سورہ میں جو پیشین گوئی منفرج تھی اس کے واقع ہو جانے کے بعد گویا اس امر کا اعلان ہو گیا کہ مسلمان خدا کے ایمان کی کسوٹی پر پورے اترے اور خدا نے ان سے راضی ہو کر ان کو قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جن لیا۔ انبیاء کے حالات اور قرآن کی تصریحات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا آواز معائب اور مبرکے ماحول میں ہوتا ہے اور اس کی انتہا برکات اور اجر پر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کوئی فتح نے اعلان کر دیا کہ مسلمان خانہ کعبہ کے متولی اور خدا کی زمین میں دیں حق کے گواہ ہیں۔ یہ گویا اس وعدہ کا ظہور ہے جو ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے :-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
جَوْثَمٍ مِّنْ سَعْيِهِمْ لَأَنَّهُمْ  
يُؤْتُوا ان سَعْيِهِمْ لَأَنَّهُمْ



لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ  
حَتَّىٰ مَتَّخِفًا الَّذِينَ  
مِنْ بَيْنِهِمْ وَلِيَأْمَنَنَّ لَهُمْ  
وَيُتِمَّهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ  
وَلِيُجِدَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ خُوفِهِمْ  
أَمْنًا يَتَّبِعُونَ وَيَسِيئُوا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ  
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ  
هُوَ الْعَاقِبُونَ . . . . .

جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو  
اس نے خلافت دی تھی اسی طرح  
ان کو بھی زمین میں خلافت دے گا  
اور ان کے لئے اس دین کو مستحکم  
کرے گا جیسے اس نے ان کے لئے بنید  
ٹھہرایا ہے اور ان کی خوف کی جگہ  
کو امن و اطمینان سے بدل دے گا۔  
وہ لوگ صرف میری ہی بندگی کریں گے  
اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔  
اور ان انعامات کے بعد جس کسی نے

(النور: ۵۵) کفر کیا تو وہی لوگ ناسخ ہیں۔

بھی وہ وعدہ تھا جس کو اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ اَلْكِتَابَ کہہ کر پورا کر دیا۔ ان دونوں  
آیتوں میں خاص طرح کا مشابہ ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے بعد فرمایا ہے وَاقِيْمُوا الصَّلٰوٰتَ  
وَآتُوا الزَّكٰوٰتَ رَمَازِ قَام کر داور زکوٰۃ دو، جو تَعْمَلْ لِرَبِّكَ وَاعْمُرْ سے لگتی ہوئی  
بات ہے۔ پھر فرمایا وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ رسول کی اطاعت کرو کہ  
تم پر خدا رحم فرمائے یہ آیت جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے، اِنَّ سَانَكَ هُوَ الْاَبَدُ  
کے کٹڑے سے مشابہ ہے۔

بالکل یہی حال سورہ نوح کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کے لئے اس درحمت اور رضوان و مغفرت، نیز ارض مقدس پر غلبہ کے جو وعدے فرمائے تھے یہ سورہ تمام تر انہی وعدوں کی تکمیل اور ان کے ظہور کی بشارت ہے۔ انبیاء کے صحیفوں خصوصاً زبور اور انشال سلیمان میں بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کی بعض آیات میں اس کی طرف اشارہ ہے مثلاً:-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ  
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ  
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد  
لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث  
میرے نیک بندے ہوں گے۔

(الانبیاء: ۱۰۵)

یہاں زمین سے مراد وہ آرض مقدس ہے جو ارض جنت کی مثال ہے اور آل عمران اور سورہ فیل کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ جو شرف و عزت مکہ منظمہ کو حاصل ہے وہ اس آسمان کے نیچے زمین کے کسی کھڑے کو بھی حاصل نہیں ہے۔

سورہ کوثر کے نزول کے وقت وعدہ وراثت کا ظہور شروع ہو چکا تھا یہاں تک کہ وہ پورا ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ترین کفار کے ہاتھوں سے چھین کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیدی اور اس طرح گویا اعلان کر دیا کہ اللہ کے نیک بندے اور الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے مصداق مسلمان ہی ہیں اس وجہ سے زمین کی خلافت و حکومت کے وہ مستحق ہوئے۔

اس وعدہ کے ظہور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس بشارت کی بھی تصدیق کر دی جو آپ کے بارہ میں حضرت موسیٰؑ نے دی تھی کہ جب نبی موعود آئے گا تو ارض مقدس کو کفار کے غلبہ سے پاک کرے گا۔ نبی اسرائیل میں جتنے انبیاء و سلاطین آئے ان میں کسی کے عہد میں بھی اس پیشین گوئی کی تصدیق نہیں ہوئی۔ ان کے تمام صحیفے ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہود ایک ایسے منہیر کے منظر سے جو ارض مقدس کو کفار کے قبضہ سے نکالے۔ قرآن مجید نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ	اور جب ان کے پاس اللہ کے پاس
عِندَ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ	سے ایک کتاب آئی جو ان کی کتابوں
وَكَاذِبًا مِّنْ قَبْلِ يُسْتَفْضَوْنَ	کی تصدیق کرتی تھی اور حال یہ تھا
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا	کہ وہ پہلے سے کافروں پر فوج کے
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا	طلب گارتھے تو جب وہ چیز ان کے
سَلَامًا	پاس آگئی جس کو وہ پہچانتے تھے
(بقعہ: ۸۹)	انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

## ۱۔ نبوت محمدی کی ایک دائمی دلیل

یہ سورہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس امر کا اعلان کر رہی ہے کہ ”کوثر“ سے محمومی کی وہ پیغمبری اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک مستمر اور دائمی واقعہ کی خبر ہے۔

یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ کسی خاص سرزمین کے متعلق یہ اعلان کر دے کہ اس پر اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہے گی اور اس کے اعدا اور اس سرزمین سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ زمانہ کے سیل حوادث کا کون متاثر کر سکتا ہے؟ بڑی بڑی بادشاہتیں اور بڑے بڑے سلاطین اس کے ہواؤں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ لیکن قرآن نے سورہ کوثر میں جو اعلان کیا، اس کو زمانہ اب تک باطل نہ کر سکا۔ اس درجے پر عظیم انسان پیشین گوئی ایک طرف مسلمانوں کے لئے ایک لازوال بشارت ہے۔ دوسری طرف اس میں قائم انبیین کی نبوت کی ایک دلیلی اور غیر فانی دلیل ہے۔ اور یقیناً یہ پیشین گوئی ان پیشین گوئیوں سے کہیں بڑھ کر ہے، جی کی عمریں ختم ہو چکیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی وہ پیشین گوئیاں جن کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے :-

وَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى  
فَمَا تَكْفِرُونَ - اور تمہیں پہلے سے بتا دوں گا جو تم  
کھاؤ گے اور جو تم اپنے گھروں میں  
جمع کر دو گے۔

یاد انبال اور خرقہ بنی کی پیشین گوئیاں جن کے ظہور کا اب تک انتظار ہے۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہمیشہ کے لئے رہی۔ اس وجہ سے چند دفعہ پیشین گوئیاں آپ کی شان رسالت سے فرد فرمیں۔ آپ آخری نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آپ کے ظہور سے بہت سی انگی پیشین گوئیوں کی تصدیق فرمائی، دوسری طرف آپ کو ہمیشہ باقی رہنے والی جنتوں سے سرفراز فرمایا۔

پہر مشین گوئی کا کمال اعجاز یہ ہو کہ وہ ظاہری حالات کے بالکل خلاف ہو۔ اس مشین گوئی ۱۱ میں یہ شان بھی کمال درجہ موجود ہے۔ یہ سورہ جہا کے روایات سے ثابت ہو، صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی ہے جس میں بظاہر علیہ کفار کو حاصل ہوا تھا۔ صلح کی تمام شرطیں تقریباً انہی کے حق میں تھیں یہاں تک کہ بعض صحابہ نے علانیہ شرائط صلح سے اختلاف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اختلاف کا اظہار بھی کر دیا۔ معاہدہ کے بعض انفاط کو کفار کے اصرار اور اختلاف کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مٹانے کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے اس کی تعمیل سے انکار تک کر دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس روز کے ظاہری حالات اس قسم کی کسی مشین گوئی کے بالکل خلاف تھے۔ یہ مشین گوئی بالکل اسی قسم کی تھی جیسی مشین گوئی اپنے ردیوں کے علیہ کے بارہ میں فرمائی تھی۔ وہ بھی جیسا کہ ہم تفصیل لکھ چکے ہیں، ظاہری حالات کے بالکل خلاف تھی۔

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اس نبوت کی جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی مشین گوئیاں عہد تر پوری ہوں گی یہاں تک کہ لوگ ان کو دیکھ کر اس کے حق ہونے کا یقین کریں گے۔

تثنیہ باب ۸ میں ہے :-

میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرادوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا نہ

اکیس ایک حسب سگ وں گایک رو بنی جو ایسی گت نئی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ یا اور مبعودوں کے نام لے کر کہے تو وہ بنی قتل کیا جائے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیوں کر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں؟ تو جان رکھو کہ جب بنی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہلے ہے واقعہ نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نے گت نئی سے کہی ہے اس سے مت ڈر!

یہ خطاب ۶۱ میں ہے :-

تینک جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا!

چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کچھ ہی دنوں بعد مکہ فتح ہوا۔ اور مسلمانوں کے لئے یہ پیشین گوئی ایک لازوال بشارت اور کفار کے لئے ایک دائمی انداز اور وعید کی شکل میں پوری ہو گئی۔ ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر غور کرو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کی کیسی اہم تجنیں مغرب ہیں۔

۱۸۔ حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کا وعدہ اور اس کی تصدیق

بچھلی فصلوں میں جو مباحث گذرے ہیں ان سے حقیقت بالکل روشن ہو گئی کہ

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب سے بڑے کو خیر کثیر کی دولت بخشی اور آپ کے اہل بیت کو اس سے محروم نہ فرمایا۔ یہ بچہ اس وعدہ کی تکمیل ہے جو خدا نے حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا کہ تمام اہل زمین ان کی ذریت کے ذریعہ سے برکت پائیں گے اور جو ان پر برکت بھیجے گا وہ مبارک ہو گا۔ اور جو ان پر لعنت بھیجے گا وہ ملعون ہو گا۔ یہ دونوں باتیں اس سورہ میں بھی موجود ہیں۔ پہلی بات ”إِنَّا آتَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ“ میں موجود ہے۔ اور دوسری بات ”إِنَّا نَسْأَلُكَ هَؤُلَاءِ بَنَاتٍ“ میں دونوں باتوں کو پیش نظر رکھ کر دو قسم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یک نایاں مشابہت نظر آئے گی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مکت و رحمت مقتضی ہوئی کہ تمام برکت کا سرخسہ حضرت ابراہیم کو بنائے۔ چنانچہ حضرت نوح کے بعد تمام آسمانی برکتوں کے وارث وہی ہوئے جیسا کہ فرمایا:-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا  
وَالِإِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْمَاعِيلَ  
عَلَى الْعَالَمِينَ

اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم  
اور آل عمران کو تمام عالم پر  
برگزیدہ کیا۔

(آل عمران: ۳۳)

آل عمران ”بھی ذریت ابراہیم میں شامل ہیں۔ اس لئے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے لئے گویا تمام عالم میں صرف آل ابراہیم کا انتخاب ہوا۔ پھر حضرت ابراہیم کے واسطے تمام اہل زمین کو برکت دینے کا وعدہ کیا گیا۔

مکویں میں باب ۱۲ میں ہے :-

اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور قراتوں کے درمیان سے  
اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک جو میں تجھے دکھلاؤں گا، نکل چل۔ اور میں تجھے  
ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو بہارک، اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک  
برکت ہوگا۔ اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر  
لنت کرتا ہے لنتی کروں گا۔ اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔“

یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردہ  
کی طرف ہجرت فرمائی جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قرانی کی جگہ ہے۔ اس وقت اس میں  
اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عام برکت کا وعدہ ان کی ذریت کے واسطے سے پورا  
ہوگا۔ چنانچہ ایک دوسرے موقع پر اس کی صاف تصریح بھی فرمادی ہے۔

مکویں میں باب ۲۲ میں ہے :-

خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا اپنا اکلوتا ہی بیٹا  
درین زکریا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔۔۔  
.... اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی۔ کیونکہ تو نے

میری بات مانی۔“

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس برکت کا اصلی سبب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی  
قرانی ہے۔ ہر چند کہ یہ برکت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت کے ذریعہ سے بھی پہنچی لیکن اس کا اصل



مرتبہ حضرت اسماعیلؑ ہی کی خوربت ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اس کے متعلق ایک اہم حقیقت بیان ہوئی ہے:-

ابرہام تو یقیناً ایک بڑی اور بزرگ قوم ہوگا۔ اور زمین کی سب قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ کیونکہ میں اس کو ہانتا ہوں کہ وہ اپنے بیٹوں اور اپنے بعد اپنے گھرنے کو حکم کرے گا اور وہ خداوند کی راہ کی گہائی کر کے عدل اور انصاف کریں گے تاکہ خداوند ابرہام کے واسطے جو کچھ اس نے اس کے حق میں کہا ہے پورا کرے۔" تکوین باب ۱۸

یہاں برکت سے اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ نیز اس سے ایک نئی حقیقت آشکارا ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو دین دیا گیا تھا اس کی حقیقت نیکی اور عدل تھی۔ اب غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رطبہ سے یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ کی بعثت اس سرزمین میں ہوئی جو ان تمام برکات کا سرخربہ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سرزمین کا اور دین ابراہیمی کا وارث بنایا اور آپ کی شریعت کی بنیاد نیکی اور عدل پر ہوئی۔ نیز آپ کی بعثت سے تمام روئے زمین کے لئے مام برکت کا وعدہ پورا ہوا۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام عالم کے لئے ہے۔

فَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ

ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں

بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا: ۷۸)

کے لئے بشیر و نذیر بنا کر

اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام عالم

فَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝۵۵ اے رحمت بنا کر۔

چونکہ آپ کی رسالت تمام عالم کے لئے عام ہے۔ اس وجہ سے وہ برکت بھی جو آپ کے  
 ندیمہ دنیا میں پہلی، آپ کے تمام پیروں کے لئے جو آپ کی ذات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کی ذات پر برکت سمجھتے ہیں، عام ہوگی۔ یہ اس وعدہ کی تصدیق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 سے کیا گیا تھا کہ:-

تو تجھے برکت دیتا ہے میں اے برکت دوں گا:-

اس کو دوسرے نقطوں میں زیادہ وضاحت سے یوں سمجھو کہ برکت میں معنی ہیں  
 اہل دخیال کی کثرت کی دعا دینا۔ اس لئے اگر کوئی شخص، کسی شخص کو برکت کی دعا سے تو اس کے  
 معنی یہ ہونے لگے کہ اس شخص کے اہل دخیال کو بھی خیر و برکت کی دعا دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ  
 جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت بھیجتے  
 ہیں۔ اسی لئے اَلِیَاس جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو گویا آپ کی ذریت  
 اور آپ کے آل پر بھی برکت بھیجتے ہیں۔ اسی لئے نمازوں میں ہم یوں دعا کرتے ہیں:-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ

یعنی تو نے جس طرح ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی اسی طرح

محمد اور آل محمد پر بھی اپنی برکت و رحمت نازل فرما، اکتیر وعدہ پورا ہو۔

یہ برکت مجھے کا حکم دوسری امتوں کو نہیں دیا گیا صرف مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ ۝۵۶ اللہ وہ اس کے ملائکہ نبی پر رحمت

عَلَى السَّيِّئَاتِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا  
مجھے ہیں، اسے ایسا دلوانو تم بھی  
اس پر درود و سلام بھیجو۔

(احزاب: ۵۶)

اسی لئے ہم اپنی تمام نادرہوں کو درود پر ختم کرتے ہیں۔  
یہود و نصاریٰ اولاً تو نماز کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں اور اگر بڑھتے بھی ہیں تو  
حضرت ابراہیمؑ یا ان کی ذریت میں سے کسی پر درود نہیں بھیجتے۔ یہ درود صرف آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی امت کا شعار ہے۔ ہم تشہد میں پہلے خدا کی بارگاہ میں صلوات و طیبات کی نذر  
گزارتے ہیں پھر اس کے تمام صالح بندوں کے لئے اس کی رحمت و برکت مانگتے ہیں اور خصوصاً  
کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام لیتے ہیں تاکہ ان کے حقوق  
کا اعتراف کریں۔ یہ گویا اس نیکی اور عدل کی ایک فرع ہے جو نذر دل برکات کا سبب ہے۔  
اس شریعت کی برکت عمومی کی شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ اس میں ہم کو  
تمام دنیا کے ساتھ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا يَنْفَعُكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ  
كُذِّبَتْ أَيْمَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَلَكُمْ  
مِنْ دِيَارِكُمْ دِيَارُكُمْ  
أَنْ تَبْذُرُوا دِيَارَكُمْ وَتَقْسِطُوا  
إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ  
اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ  
نیکی اور عدل سے نہیں روکتا  
جنہوں نے تم سے دین کے بار میں  
وٹائی نہیں کی۔ اور تم کو تمہاری  
گھرؤں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ عدل

(مختصرہ: ۸) کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
تَوَّاعِينَ لِلَّهِ سَعْدًا  
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
شُرَكَاءُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْلَمُوا  
إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ  
(دعائید کا: ۸)

اے ایمان لانے والو! اللہ کے لئے  
مستعد بنے رہو انصاف کے ساتھ  
شہادت دینے والے۔ اور کسی قوم  
کی عداوت تم کو اس بات پر گمراہ  
نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ بیٹھو۔  
عدل کرو کہ یہی تقویٰ سے اقرب ہو۔

اس شریعت کے جزئیات احکام بھی، جیسا کہ اس کے محل میں ہم نے تفصیل سے  
بحث کی ہے، عموماً اور رسالات کی اس روح سے سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ بھی ایک معلوم  
حقیقت ہے کہ خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے احسان اور عدل کا مرکز بنایا ہے کیونکہ اس کا  
نگ بنیا تو حید ہے۔ اور اس کی تعمیر ذکر و شکر اور ہمدردی خلق کے لئے ہوئی ہے۔ لہذا  
قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ توحید اس العدل ہے کیونکہ اس نے شرک کو ظلم عظیم  
کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ  
بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔

(لقمن: ۱۳)

اور پچھلے بابا حشود میں بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہ نماز اور قربانی جس کا

اس سورہ میں ذکر ہے۔ وہ حقیقت خانہ کعبہ کے بنیادی مقاصد یعنی توحید، ذکر و شکر، اور  
 مواسات کے قیام و تحفظ کے لئے ہیں یعنی بالواسطہ یہ تمام چیزیں بدو عدل کی طرف رہنمائی  
 کر رہی ہیں۔ اور یہیں سے بات بھی معلوم ہوئی کہ چونکہ خانہ کعبہ ہی فیہ السلام احسان و عدل کا مرکز ہے  
 اس وجہ سے تمام برکات کا سرخسہ بھی وہی ہو گا۔

یہ تمام باتیں اشارہ کر رہی ہیں کہ اس سورہ میں کوثر سے مراد خانہ کعبہ ہی ہے۔  
 اس سورہ کی تفسیر کی یہ آخری سطر ہے، جن کو لکھنے کی توفیق حاصل ہوئی۔

ﷻ



# مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی بعض دوسری اہم تصنیفات

## ۱۔ تفسیر سورہ اخلاص

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی ہر دور میں بے شمار تفسیریں لکھی گئیں، لیکن اہل نظر نے اختصار و فہم کیا ہے کہ علامہ فراہی رحمۃ اللہ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں ان سے تمام تفسیریں بنائی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت ۳۸ نئے پیسے

## تفسیر سورہ قیامہ

استاذ امام مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ قیامہ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب قرآن پاک کے بعض نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے، مؤلفؒ نے اس میں قرآنی جہت کے بعض نہایت عجیب و غریب مسائل سے تعرض کیا ہے۔ اور پھر ان سب کو کلام عرب اور فقہ قرآن کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ واضح فرمایا ہے، کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت ۱۰ نئے پیسے

طبعی کاغذ  
دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، مسٹر سمیرا غفرلہ







